COMPUTER KINGS QUETTA
لیلیٰ کی الف لیلہ
محی الدین نواب

محی الدین نواب

ایک سال گزر چکا تھا ابھی تک صرف ایک انعامی کہانی "قیامت زدہ" پیش کی جا سکی ہے جس وقت انعامی کہانی کا اعلان کیا گیا تھا اُس وقت توقع تھی کہ اس مقابلے میں شمولیت کے لیے بے شمار کہانیاں آئیں گی۔ اس طرح ہر ماہ کم سے کم ایک کہانی انعام کے لائق ضرور ہوگی۔ لیکن وائے افسوس! کہانیاں تو بے شمار آئیں سال کے ۳۶۵ دنوں میں چھٹیوں کے دن چھوڑ کر ایک آدھ دن ایسا ہوتا ہوگا جب کوئی نہ کوئی کہانی موصول نہ ہوتی ہو لیکن انعام کے لائق کوئی کہانی؟ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

پہلی انعامی کہانی کے بعد اب یہ دوسری کہانی پیش کی جا رہی ہے۔ وہ بھی محی الدین نواب کی تھی یہ بھی محی الدین نواب کی ہے۔ قیامت زدہ کے بارے میں اس وقت کچھ کہنا غیر ضروری ہے البتہ موجودہ کہانی کے بارے میں چند جملے ضرور کہنا چاہتا ہوں۔

یوں تو نواب کی ہر کہانی دلچسپ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قارئین انہیں پسند کرتے ہیں لیکن موجودہ کہانی چند اضافی خصوصیات بھی رکھتی ہے محی الدین نواب کے ہاں مخصوص جذبے میں شوخی بھی ہوتی ہے اور شرارت بھی، دلآویزی بھی ہوتی ہے اور سبق آموزی بھی۔ یہ سب اس کہانی میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ نواب کی تحریر کی سحر طرازیاں اور شگفتہ سامانیاں جو اُن کی تحریر کا جزو لاینفک ہیں اس کہانی میں بھرپور انداز میں جلوہ گر ہیں۔ دلچسپ اندازِ بیان کے علاوہ موجودہ کہانی کی دوسری خصوصیت اس کے پُرپیچ واقعات اور پُرتجسس انداز بیان ہے۔ اسی لیے میں قارئین سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کہانی کو پوری توجہ سے پڑھیں۔ ایک آدھ جملہ بھی نظر انداز ہو گیا تو کہانی اُلجھی ہوئی محسوس ہوگی۔ جہاں تک کہانی کے انجام کا تعلق ہے وہ اتنا چونکا دینے والا اور غیر متوقع ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ میرے خیال میں نواب کی یہ کہانی قیامت زدہ سے بہتر ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ — احمد سعید

ایل ایس ڈی

ایک ایسا جدید نشہ دریافت کیا گیا ہے جسے استعمال کرنے والا اپنی روئی بسوتی ہوئی دنیا کے جہنم سے نکل کر خیالوں کی حسین جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ یوں تو موجودہ مشینی دور میں امیر اور غریب سب ہی ذہنی اضطراب میں مبتلا رہتے ہیں لیکن یہاں صرف دولت مندوں کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہ نشہ بہت مہنگا ہے۔ صرف دولت مند ہی یہ نشہ خرید کر ذہنی آسودگی کے لیے خیالی جنت کا دروازہ کھول سکتے ہیں۔

وہ بھی اس جنت کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے پھولوں کا میلہ لگا ہوا تھا خوشبوئیں نفس نفس گدگدا رہی تھیں۔ چاروں طرف ہوا کے دوش پر رنگوں کے غبار کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ کون ہے۔ اپنے آپ کو بھلانے کے لیے ہی نشے کو گلے لگایا جاتا ہے۔

ہلکی ہلکی موسیقی کے سروں پر وہ لہراتی بل کھاتی ہوئی جنت میں داخل ہوئی۔ اس کے بدن پر سنہرے رنگ کی میکسی تھی۔ جب وہ آگے بڑھی تو اس کے قدموں تلے دھواں دار فرش تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ زمین پر نہیں بادلوں کے سینے پر چل رہی ہے۔ انسان کی یہ ازلی خواہش ہے کہ وہ زمین سے اونچا اڑے۔ بادلوں کو قدموں تلے لائے۔ اس کی یہ خواہش نشے کی اونچی اڑان سے پوری ہو جاتی ہے۔

شریر ہوائیں اس کی سنہری میکسی کو ادھر سے ادھر اڑا رہی تھیں۔ وہ جہاں سے گزرتی تھی، وہاں دھواں دار فرش کا رنگ اس کی میکسی کی طرح سنہرا ہو جاتا تھا۔ ذرا آگے بڑھنے کے بعد خوابوں کا وہ شہزادہ نظر آیا جسے وہ زمین پر تلاش کیا کرتی تھی۔ وہ زنگار رنگ لہروں کی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر سبز لبادہ تھا۔ ہوائیں اس کے لبادے کو بھی چھیڑ رہی تھیں۔ کمر سے بندھا ہوا سرخ رنگ کا رومال لہرا رہا تھا۔ اس نے حسینہ کو دیکھتے ہی اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔

”شباب اگر نہیں تاب اب جدائی کی۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔“

وہ زنگار رنگ لہروں کی مسند سے اٹھ گیا۔ حسینہ نے اپنے چہرے سے زلفوں کو ہٹا کر دیکھا۔ وہ خوبصورت شہزادہ آنکھوں کے راستے دل میں اتر رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے بازو پھیلائے ایک دوسرے کی طرف بڑھنے لگے لیکن وہ رنگین لہریں پتہ نہیں کیوں دشمن بن گئی تھیں انہیں بہا کر ادھر سے ادھر لے جا رہی تھیں۔ وہ بہتے ہوئے قریب آتے تھے۔ پھر دوسری سمت گھوم جاتے تھے شہزادے نے اپنی کمر سے بندھے ہوئے سرخ رومال کو کھولتے ہوئے کہا۔

”میں اس رومال کا ایک سرا تھام کر دوسرا سرا تمہاری طرف اچھالتا ہوں۔ پھر تم اسے تھام کر میرے پاس چلی آؤ گی۔“

اس نے رومال کا دوسرا سرا اچھال دیا۔ حسینہ نے اسے تھام کر ایک ادائے ناز سے پوچھا۔

”اگر میں تمہارے پاس نہ آؤں تو؟“

”تو میں اپنے رومال کو بڑے پیار سے کھینچوں گا۔ تم اس رومال سے بندھی چلی آؤ گی۔“

وہ مسکراتی ہوئی لہروں پر لہراتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ پھر اس کی گردن میں اپنی گداز بانہوں کا ہار پہنا دیا۔ شہزادے نے سرخ رومال کو اس کی گردن کے پیچھے سے لا کر ٹھوڑی کے نیچے ایک گرہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ رومال میری کمر سے بندھا ہوا تھا۔ میں سانس لے رہا تھا۔ اگر تمہاری گردن سے باندھا جائے تو کیا تم سانس لے سکو گی؟"

یہ کہتے ہی اس نے رومال کی گرہ کو ایک جھٹکے سے مضبوط کر دیا۔ اور اس کے دونوں سروں کو پوری قوت سے کھینچنے لگا۔ حسینہ کی سانسیں ختم ہو گئی تھیں۔ دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ خلاء میں گھورتی ہوئی زندگی کی سانسوں کو واپس بلا رہی تھی 'جو اب کبھی نہیں آ سکتی تھیں۔

○

اس کی لاش کے اطراف عزیز رشتے داروں کا ہجوم تھا۔ وہ ماتم کر رہے تھے۔ فوم کے ملائم بستر پر اس حسینہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ حسین عورت ابدی نیند کی حالت میں پہلے جیسی حسین نظر نہیں آتی۔ کیونکہ وہ بول نہیں سکتی۔ ادائیں نہیں دکھا سکتی۔ اور اداؤں کے بغیر حسن نامکمل رہ جاتا ہے۔ کسی ناقدرے نے اس کے حسن کو یونہی چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کی اداؤں کو سرخ رومال سے باندھ کر چلا گیا تھا۔

اس کی گردن سے سرخ رومال بندھا ہوا تھا۔

انسپکٹر ہاشم نے خوابگاہ میں داخل ہو کر دیکھا۔ لاش کے اطراف رشتے داروں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی یہ بات خلافِ قانون تھی۔ اتنے لوگوں کی آمدورفت سے قاتل کے قدموں کے اور انگلیوں کے نشانات مٹ چکے ہوں گے۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ سب تعلیم یافتہ ہیں۔ قانون کو سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود

وہاں بھیڑ لگا رکھی ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے آپ سب یہ کمرہ خالی کر دیں۔"

وہ لوگ آنسو پونچھتے ہوئے وہاں سے جانے لگے۔ ایک عورت چیختی ہوئی لاش سے لپٹ گئی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں لیلیٰ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ وحید کو بلاؤ۔ میرا وحید قاتل کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ پولیس ٹلے میری بہن کا انتقام نہیں لے سکیں گے۔ لیلیٰ۔ ہائے میری لیلیٰ۔۔۔۔"

انسپکٹر ہاشم نے اس کا بازو تھام کر اسے لاش کے پاس سے ہٹانا چاہا۔ مگر وہ رونے والی بیہوش ہو کر اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔ انسپکٹر نے اسے سیدھی طرح فرش پر لٹایا تو حیرانی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ کبھی لاش کو اور کبھی اس بیہوش ہو جانے والی کو دیکھنے لگا۔ دونوں کے چہرے ایک جیسے تھے۔ ایک ہی سانچے میں ڈھل کر حسن کا شاہکار بنے تھے۔ دونوں کی صورت اور سراپا میں ذرہ برابر فرق نظر نہیں آتا تھا۔ انسپکٹر کو یوں لگ رہا تھا جیسے ایک ہی عورت دو لاشوں میں منقسم ہو کر فرش پر اور بستر پر پڑی ہوئی ہے۔

اس نے بیہوش عورت کے کسی عزیز سے کچھ پوچھنے کے لیے سر اٹھایا تو پھر رشتے داروں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ اس کے بعد تمام عورتیں اس بیہوش عورت کے آس پاس دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ انسپکٹر نے چیخ کر کہا۔

"خدا کے لیے دور ہٹ جاؤ۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

ایک بوڑھی عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"چولہے میں گیا تمہارا کام۔ ہماری بچیاں دھڑا دھڑ مر رہی ہیں اور تمہیں اپنے کام کی پڑی ہے۔"

"بڑی بی! یہ مری نہیں، بیہوش ہو گئی ہے۔"

"ایں؟" تمام عورتوں نے رونے کا کورس بند کر دیا۔ پھر بیہوش ہونے والی کو ٹٹولنے لگیں۔

انسپکٹر پریشان ہو کر ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کے پاس آیا۔ پھر بولا۔

"جناب! میں قتل کی تفتیش کیسے کروں؟ مقتولہ کے یہ تمام رشتے دار اس نامعلوم قاتل کو قانون کی گرفت سے دور کرتے جا رہے ہیں۔"

"میں آپ کی پریشانیوں کو سمجھ رہا ہوں۔ دیکھیے میں ان لڑکیوں کا باپ ہوں جو قتل ہو چکی ہے اس کا نام لیلیٰ تھا اور جو بیہوش ہے۔ اس کا نام شبانہ ہے۔"

انسپکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ کیسے باپ ہیں؟ لڑکی بیہوش پڑی ہے اور آپ یہاں اطمینان سے کھڑے ہیں؟"

لڑکیوں کا باپ ذرا سا ہچکچایا۔ پھر انسپکٹر سے نظریں چراتے ہوئے شبانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک عورت اسے ہوش میں لانے کے لیے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ انسپکٹر نے پوچھا۔

"کیا یہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں؟"

"جڑواں نہیں ہیں۔ مگر ہاں ایک ہی رات پانچ منٹ کے وقفے سے پیدا ہوئی تھیں۔ شبانہ عمر میں لیلیٰ سے پانچ منٹ بڑی ہے۔"

"کیا شبانہ کی شادی ہو چکی ہے؟"

"شادی؟" شبانہ کے باپ نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا آپ کو قتل کی اطلاع دینے والے نے یہ نہیں بتایا کہ شبانہ کون ہے؟"

"نہیں، فون پر صرف اتنا کہا گیا کہ لیلیٰ کاٹج میں لیلیٰ نامی عورت قتل ہو چکی ہے۔ چونکہ یہ کوٹھی تھانے سے قریب ہے۔ اس لیے فون پر مزید کچھ پوچھنے کے بجائے خود ہی چلا آیا۔ ہاں تو یہ شبانہ کون ہے؟"

"آپ کے ایس پی وحید پاشا کی شریک حیات۔۔۔"

"آں!" انسپکٹر نے چونک کر شبانہ کی طرف دیکھا۔ وہ ہوش میں آگئی تھی۔ اور اب ایک عورت کے سہارے بیٹھی گہری گہری سانسیں لے رہی تھیں۔ انسپکٹر نے اس کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"بیگم صاحبہ! میں نے کل ہی یہاں کے تھانے کا چارج سنبھالا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ایس پی صاحب کی وائف ہیں۔"

ایک بوڑھی عورت نے پوچھا۔

"اسے معلوم ہوتا تو کیا تم لیلیٰ کو مرنے سے بچا لیتے؟"

اس نے کہا۔ "موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے۔ مگر قاتل میرے ہاتھ آسکتا ہے۔ اگر آپ سب تعاون کریں۔ بیگم صاحبہ کیا آپ بیان دیں گی؟"

"اسے تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ شبانہ بیٹی بولنے کے قابل نہیں ہے۔ صدمے اور نقاہت سے آدھی ہو رہی ہے۔ جاؤ پہلے کسی ڈاکٹر کو جا کر فون کرو۔"

اس وقت انسپکٹر ہاشم کا فرض صرف قتل کے سلسلے میں تفتیش کرنا تھا۔ لیکن ایس پی صاحب کی سسرال والے ڈاکٹر کو فون کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ اگر وہ انکار کرتا تو بڑے صاحب تک چھوٹی سی شکایتیں پہنچ جاتیں۔ اس نے کہا۔

"جی بہت اچھا۔ میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں مگر اس بات کا خیال رکھیے کہ کوئی لاش کو ہاتھ نہ لگائے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا بیڈروم سے باہر آیا۔ دوسرے کمرے میں دوسرے رشتے دار سوگ منا رہے تھے۔ وہ اس کمرے سے نکل کر ایک کاریڈور سے گزرتا ہوا دائیں کاریڈور میں مڑ گیا۔ حالانکہ ٹیلیفون ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا تھا۔ وہیں سے ڈاکٹر کو فون کرنا تھا۔ لیکن ایس پی صاحب کی بیوی شبانہ کچھ مشکوک نظر آرہی تھی۔ کیوں مشکوک نظر آرہی تھی؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ اس شبہے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

دائیں طرف کے کاریڈور میں بیڈروم کی وہ کھڑکی تھی جہاں سے وہ لیلیٰ کی لاش کو اور شبانہ کی نقاہت کو اور اس کی مشتبہ حرکتوں کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس آکر دیوار سے لگ گیا۔ پھر آگے کی طرف

جھک کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگا۔ کھڑکی کا اندرونی پردہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ وہاں سے شبانہ نظر آرہی تھی۔ وہ ایک بوڑھی عورت کا سہارا لیے کسی دوسرے بیڈ روم کی طرف آرام سے لیٹنے جا رہی تھی۔ شبانہ اور لیلیٰ کا باپ قیصر مرزا تمام رشتے داروں کو اس کمرے سے نکال رہا تھا تاکہ لاش کے قریب کوئی نہ رہے۔ پھر اس نے اچانک کھڑکی کی طرف پلٹ کر کہا۔

"انسپکٹر! تم بالکل ناکارہ ہو۔ میں اپنے داماد ایس پی وحید پاشا سے شکایت کروں گا۔ نہ تو تم قاتل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو اور نہ ہی ڈاکٹر کو فون کر رہے ہو۔ بس عورتوں کی طرح کھڑکی سے جھانکنا ہی جانتے ہو۔ میں خود ہی جا کر ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔"

وہ بیڈ روم سے باہر جانے لگا۔ انسپکٹر ہاشم نے گھبرا کر کہا۔

"جناب! ٹھہر جائیے۔ میں ابھی جا کر فون کر رہا ہوں۔ پلیز آپ ایس پی صاحب سے شکایت نہ کریں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کاریڈور سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ شبانہ کا باپ قیصر مرزا بھی اسی وقت وہاں پہنچ گیا تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ ٹیلیفون کے ریسیور پر ہاتھ رکھا تاکہ اسے اٹھا کر ڈاکٹر کا نمبر ڈائل کریں۔ جب سب ہی کام ایک ساتھ ہو رہے تھے تو پھر ایک ساتھ ان پر قیامت کیوں نہ ٹوٹتی؟ دونوں کے سروں کے پچھلے حصے پر زبردست دھماکے ہوئے۔ پتہ نہیں کس چیز سے ضرب لگائی گئی تھی۔ وہ فرش پر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔

⭘

انسپکٹر ہاشم کی آنکھ کھلی تو اسے ہسپتال کا ماحول نظر آیا۔ ایک خوبصورت سی نرس اس کی نبض ٹٹول رہی تھی۔ انسپکٹر نے فوراً ہی آنکھ بند کر لی کہ جب ہسپتال پہنچ ہی گیا ہے تو پھر قبرستان پہنچنے سے پہلے کیوں نہ اس کا ہاتھ ایک حسینہ کے ہاتھوں میں رہے۔ اس طرح مرنے کا غم ذرا ہلکا ہو جاتا ہے۔

لیکن وہ نرس شبانہ کی طرح حسین نہیں تھی۔ جب حسن کی بات آئی تو بند آنکھوں کے پیچھے شبانہ نظر آنے لگی۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔ دماغ میں یہ سوال گونج رہا تھا کہ وہ شبانہ ہے یا لیلیٰ؟ جو قتل کی گئی تھی، اس کے لیے بھی دماغ پوچھ رہا تھا کہ مرنے والی لیلیٰ تھی یا شبانہ؟

جب صورت ایک ہی تھی۔ سراپا ایک تھا۔ دونوں کی صحت میں انیس بیس کا فرق تھا تو بڑی آسانی سے دھوکہ دیا جا سکتا تھا۔ یہ بات انسپکٹر ہاشم کے دماغ میں چکرا رہی تھی کہ لیلیٰ زندہ ہے اور کسی سازش کے تحت ایس پی صاحب کی شریک حیات شبانہ مار ڈالی گئی ہے۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس طرح اٹھ بیٹھنے کے باعث سر کا پچھلا حصہ بری طرح دکھنے لگا۔ اس نے تکلیف برداشت کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ لاش کہاں ہے؟"

اس کا سوال سننے سے پہلے ہی نرس تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کے کمرے میں جا کر کہا۔

"انسپکٹر کو ہوش آگیا ہے۔"

ڈاکٹر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ڈی آئی جی اور دوسرے پولیس آفیسر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سب اپنے ڈی آئی جی کے پیچھے چلتے ہوئے انسپکٹر ہاشم کے پاس پہنچے۔ ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"انسپکٹر ہاشم! کیا تم بیان دینے کے قابل ہو؟"

"یس سر!"

"تم لیلیٰ کاٹیج میں اپنے ساتھ صرف ایک سپاہی کو لے کر کیوں گئے تھے؟ کیا تمہیں اتنی عقل نہیں ہے کہ قتل کرنے والے تم پر بھی برا وقت لا سکتے ہیں؟"

"جناب! قتل کی اطلاع فون کے ذریعے دی گئی تھی۔ میں نے سوچا لیلیٰ کاٹیج پچاس گز کے فاصلے پر ہے۔ اس لیے خود ہی اس اطلاع کی تصدیق کر لوں۔ تصدیق تو ہو گئی مگر وہاں رشتے داروں کی اتنی بھیڑ تھی کہ میرے ساتھ آنے والا سپاہی باہر کے ایک کمرے میں ہی الجھ کر رہ گیا۔ میں بڑی مشکل سے راستہ بنا کر بیڈ روم میں پہنچا۔ وہاں کوئی میری نہیں سن رہا تھا۔ کسی نے میرے ساتھ تعاون نہیں کیا۔"

"اگر کوئی تعاون نہ کرے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم لاش کو وہاں چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں چلے جاؤ۔ تم کیوں گئے تھے ڈرائنگ روم میں؟"

"جناب! کیا عرض کروں؟ وہ لوگ ایس پی صاحب کے رشتے دار ہونے کا رعب جھاڑ رہے تھے۔ آپ ہم ماتحتوں کی مجبوریاں سمجھیں۔ اگر وہ لوگ الٹی سیدھی شکایتیں کر دیتے تو یہاں سے بھی میرا تبادلہ ہو جاتا۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اب تمہاری ملازمت بحال رہے گی۔ نو۔ کبھی نہیں۔ تمہاری حماقت کے باعث مجرموں نے لیلیٰ کی

لاش غائب کر دی ہے۔"

" لاش غائب کر دی ؟" انسپکٹر ہاشم نے چونک کر پوچھا " مگر کیسے وہاں تو بہت سارے رشتے دار تھے ؟"

ایک پولیس آفیسر نے آگے بڑھ کر کہا۔

" ڈرائنگ روم میں تم پر اور شبانہ بیگم کے والد قیصر مرزا پر حملہ کیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ کرنے والے پہلے سے وہاں چھپے ہوئے تھے۔ تم دونوں کو بیہوش کر دینے کے بعد انہوں نے ڈرائنگ روم کو بند کر دیا۔ باہر اگر تمام لوگوں سے کہہ دیا کہ انسپکٹر قیصر مرزا سے بیان لے رہے ہیں۔ کوئی اندر نہ جائے۔ اس کے بعد وہ حملہ کرنے والے کہاں چلے گئے۔ کچھ پتہ نہیں چلا۔ تم نے درست کہا کہ وہاں رشتے داروں کی بھیڑ تھی۔ وہاں کچھ لوگ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس لیے وہ حملہ کرنے والے بھی رشتے دار ہی سمجھے جاتے رہے۔

پھر چار آدمی سپاہیوں کی وردیوں میں اسٹریچر لے کر آئے۔ انہوں نے بتایا کہ انسپکٹر ہاشم کے حکم سے وہ لیلیٰ کی لاش کو پوسٹ مارٹم کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قانونی کارروائیوں میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ شبانہ بیگم دوسرے بیڈروم میں روتے روتے پھر بیہوش ہو گئی تھیں۔ اس لیے بیگم صاحبہ بھی لاش لے جانے والوں کو دیکھ نہ سکیں۔ آدھ گھنٹہ بعد ڈرائنگ روم میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مگر کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا تھا۔

یہ حیرانی کی بات تھی کہ انسپکٹر اور قیصر مرزا جب ڈرائنگ روم میں موجود ہیں تو وہ ریسیور کیوں نہیں اٹھا رہے ہیں ؟ لوگوں نے پہلے آوازیں دیں۔ پھر دروازے کو پیٹنے لگے۔ اس پر بھی جواب نہ ملا تو دروازہ توڑ دیا گیا۔ اس طرح تم اور قیصر مرزا بیہوش پائے گئے۔ اور تم دونوں کو یہاں ہسپتال پہنچایا گیا۔

تمام باتیں سننے کے بعد انسپکٹر ہاشم نے کہا۔

" جناب ! وہاں میرے لیے ہر طرح سے مشکلات تھیں جب رشتے داروں کی بھیڑ لاش کے پاس تھی تو میں لاش کو قریب سے دیکھ نہ سکا جب میرے حکم سے تمام لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تو مجرموں نے لاش کو لیجانے کے لیے اس موقعے سے فائدہ اٹھا لیا۔ اب میرا شبہ یقین میں بدلتا جا رہا ہے۔"

" کیسا شبہ ؟" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

" سر ! مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ لیلیٰ زندہ ہے اور شبانہ بیگم کو مار ڈالا گیا ہے۔"

تمام پولیس آفیسرز نے ایک دوسرے کو سنجیدگی سے دیکھا۔ پھر ڈی آئی جی نے کہا۔

" ہم بھی اس پہلو پر غور کر رہے ہیں۔ تم شبہے کی وجہ بتاؤ ؟"

" سر پہلی بات تو یہ کہ میں نے آج تک کسی بہن کو اپنی کسی بہن کی موت پر اس قدر روتے نہیں دیکھا کہ وہ بار بار بیہوش ہو جاتے۔ اس کی بناوٹی بیہوشی کو اس کے والد قیصر مرزا سمجھ رہے تھے۔ اس لیے ایک طرف اطمینان سے کھڑے ہوئے تھے۔ یعنی مجھے قیصر مرزا پر بھی شبہ ہے۔"

" تمہارا خیال ہے کہ لیلیٰ یا شبانہ کے قتل میں ایک باپ کا اور بہن کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

" جی ہاں کسی پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ ایک بات بتائیں کہ ایس پی وحید پاشا صاحب کہاں ہیں ؟"

" وہ ایک اہم کام کے سلسلے میں اسکاٹ لینڈ گئے ہیں۔ انہیں اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ آج رات تک یہاں پہنچ جائیں گے۔"

انسپکٹر ہاشم نے کہا " دونوں بہنیں ہم شکل ہیں۔ بظاہر ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔ لیکن وہ لاش اگر موجود رہتی تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے شاید کوئی فرق ظاہر ہو جاتا۔ اسی اندیشے کے تحت قاتل نے وہ لاش غائب کر دی۔"

" ہاں ہم اس بات کو سمجھ رہے ہیں۔" ڈی آئی جی نے تائید کی۔

" سر ! جو لوگ مجھے اس بھرے پرے گھر میں زخمی کر سکتے ہیں اور اتنے رشتے داروں کی بھیڑ میں لاش کو غائب کر سکتے ہیں وہ ایس پی صاحب کو بھی قتل کر سکتے یا غائب کر سکتے ہیں۔"

" ایں ؟" ڈی آئی جی نے پوچھا " یہ خیال تمہارے دماغ میں کیسے آیا۔ کیا ان لوگوں کی شامت آئی ہے کہ وحید پاشا کو قتل کر دیں گے ؟"

" اگر قتل نہیں کریں گے تب قاتل کی شامت آ جائے گی۔ آپ میری باتوں پر غور کریں۔ لیلیٰ اور شبانہ میں سے کون قتل کی گئی ہے۔ یہ بات صرف ایس پی صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔ وہ شبانہ کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتے رہے ہیں۔ اگر لیلیٰ زندہ ہے اور شبانہ قتل کی گئی ہے تو وہ لیلیٰ دنیا کو تو دھوکہ دے سکے گی لیکن ازدواجی رشتے سے گزرنے کے دوران ایس پی صاحب فرق کو صاف سمجھ لیں گے۔"

ڈی آئی جی نے اپنے ماتحتوں کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا پھر انسپکٹر ہاشم سے کہا۔

" گڈ ! تم بہت ذہین ہو۔ واقعی یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ قاتل نے لاش کو پوسٹ مارٹم سے بچا لیا۔ اب اس قاتل کے سامنے ایک آخری مسئلہ ہو گا کہ شبانہ کو کس طرح وحید پاشا کے ازدواجی تجربات سے بچایا جائے۔ اب ہمارے سامنے بھی وحید پاشا کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔"

اس نے ڈی ایس پی سے کہا " انسپکٹر ہاشم زیر علاج ہیں۔ آپ یہ کیس اپنے کسی ذہین ماتحت کے حوالے کریں۔ اور اسے تاکید کریں کہ وہ جلد از جلد شبانہ اور لیلیٰ کے متعلق معلومات حاصل کرے۔"

وہ حکم دے کر ہسپتال سے چلا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد ایک نوجوان ایس پی وحید پاشا کی کوٹھی میں پہنچا۔ کال بیل کا بٹن دبانے پر ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ نوجوان نے کہا۔

" بیگم شبانہ سے کہو۔ انسپکٹر مزمل ان سے ملنا چاہتا ہے۔"

" تمہارا دانت نکالنے کا معاوضہ پچاس روپے ہوا۔"
" مگر تم نے تو کہا تھا کہ صرف دس روپے معاوضہ ہوگا۔"
" ہاں۔ لیکن دانت نکلواتے وقت تم اتنی زور سے چلائے جیسے میں نے تمہیں ذبح کر دیا ہو۔ تمہاری چیخیں سن کر میرے چار مریض بھاگ گئے۔"

ملازم دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد اس نے دروازہ کھول کر کہا۔

" بیگم صاحبہ صدمے سے نڈھال ہیں۔ وہ کسی سے ملاقات نہیں کریں گی۔"

زندہ دل نے کہا۔ " اے ملازم بھائی! تمہاری بیگم صدمے سے نڈھال ہے تو میں کیا کروں۔ میں تمہاری بیگم سے نہیں، شبانہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

" جناب! میں شبانہ بیگم صاحبہ کی ہی بات کر رہا ہوں۔"

" اوہ اچھا۔" زندہ دل نے کہا۔ " اپنے صاحب کی بیگم کو تم بھی بیگم کہتے ہو۔"

ملازم نے اسے غصے سے دیکھ کر دروازے کو بند کرنا چاہا لیکن وہ دروازے کے درمیان آکر بولا۔

" بھائی ناراض کیوں ہوتے ہو۔ اپنی بیگم سے یعنی کہ شبانہ بیگم سے جا کر کہو کہ میں اسکاٹ لینڈ سے وحید پاشا کا ایک اہم پیغام لے کر آیا ہوں۔"

ملازم چلا گیا۔ زندہ دل دروازے کے اندر پہنچ ہی گیا تھا۔ اس لیے وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ پہلے کش کا دھواں چھوڑتے ہی اس کے دھندلکے میں وہ نظر آئی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے کا پردہ ہٹ رہا تھا۔ اور وہ آرہی تھی۔ اس کی کھلی ہوئی زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ اداسی میں ڈوبا ہوا حسن دل کو کھینچے لے رہا تھا۔ زندہ دل اپنے دل کو سنبھالنے لگا۔ وہ قریب آکر بولی۔

" کیا تم ہی انسپکٹر زندہ دل ہو؟"

" جی ہاں۔ کیا آپ ہی شبانہ بیگم ہیں؟"

" ہاں۔ بتاؤ کیا پیغام لائے ہو؟"

" بتاتا ہوں۔ مگر پہلے یقین کرلوں کہ میرے سامنے بیگم شبانہ وحید کھڑی ہیں۔"

شبانہ نے ملازم کو آواز دے کر کہا کہ اس کا بریف کیس لے آئے۔ ملازم نے حکم کی تعمیل کی۔ شبانہ نے بریف کیس کھول کر اپنا نکاح نامہ اور بینک کے کاغذات دکھائے۔ جن پر اس کے دستخط تھے۔ پھر اس نے ایک کاغذ پر بالکل ویسے ہی دستخط کر کے انسپکٹر زندہ دل کے سامنے رکھ دیا۔ زندہ دل نے ان تمام دستخطوں کا موازنہ کرنے کے بعد کہا۔

" ہمارے افسران آپ کو بیگم وحید پاشا کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ آج میں نے ان کے سامنے آپ کی بہن لیلیٰ کا فائل پیش کیا ہے۔ آج سے دو برس پہلے آپ کی بہن لیلیٰ نے ایک بڑے رئیس حشمت بیگ سے فراڈ کیا تھا۔ وہ حشمت بیگ کے ہاں ایک رات گزارنے گئی تھی۔ دوسری صبح....."

شبانہ نے بات کاٹ کر غصے سے کہا۔

" انسپکٹر! کیا تم یہاں میری مجبور بہن پر کیچڑ اچھالنے آئے ہو؟"

" جی نہیں، ایک مجرم کی حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

" لیکن تم یہاں میرے شوہر کا پیغام لے کر آئے ہو۔"

" جی ہاں۔ وہ پیغام سنانے کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ لیلیٰ کس قسم کا فراڈ کیا کرتی تھی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ دوسری صبح لیلیٰ نے پچاس ہزار روپے کا چیک بینک میں کیش کرایا۔ اس چیک پر حشمت بیگ کے دستخط تھے لیکن جب حشمت بیگ کے علم میں یہ بات آئی تو اس نے انکار کیا کہ پچاس ہزار کے چیک پر اس کے دستخط ضرور ہیں مگر اس کے دستخط کی کامیاب نقل ہیں۔ اس نے لیلیٰ کو پچاس ہزار کی رقم نہیں دی ہے۔

بینک منیجر نے لیلیٰ کے خلاف حشمت بیگ سے تحریری بیان لیا۔ پھر وہ معاملہ پولیس کے حوالے کر دیا لیکن دوسرے دن اچانک ہی حشمت بیگ نے اپنا بیان بدل دیا۔ کہنے لگا کہ اس نے نشے کی حالت میں لیلیٰ کو پچاس ہزار کا چیک دیا تھا۔ لیلیٰ نے فراڈ نہیں کیا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ نشے کی حالت میں جب اپنا ہوش نہیں رہتا۔ اس وقت چیک پر صحیح دستخط کیسے ہو سکتے ہیں؟

اگر صحیح دستخط نہیں ہو سکتے تو پھر لیلیٰ جعلی دستخط کی ماہر تھی۔ اس نے حشمت بیگ سے فراڈ کیا۔ اس شخص نے جھنجھلا کر پہلے تو انکار کیا پھر کسی دباؤ میں آگیا۔ لیلیٰ کے ہاتھوں میں اس کی کوئی ایسی کمزوری تھی جس نے دوسرے دن اسے اپنا بیان بدلنے پر مجبور کر دیا۔"

زندہ دل نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔

" بہرحال حشمت بیگ کے بیان نے لیلیٰ کو فراڈ کے الزام سے بچا لیا لیکن ہم قانون کے دماغ سے سوچتے سمجھتے ہیں۔ ہمارے دفتر میں اس کی جو فائل ہے۔ اس میں واضح طور سے لکھا ہوا ہے کہ وہ جعلی دستخط کی ماہر تھی۔ اس کے پیش نظر اگر آپ شبانہ بیگم کے دستخط کرتی ہیں تو کیا میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ میرے سامنے لیلیٰ نے ابھی شبانہ بیگم کے دستخط کیے ہیں؟"

شبانہ تھوڑی دیر تک اسے گھور کر دیکھتی رہی۔ پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر بولی۔

" میں کیسے یقین دلاؤں کہ میں وحید پاشا کی شریک حیات شبانہ بیگم ہوں؟"

" آپ میں اور لیلیٰ میں کوئی تو ایسا فرق ہوگا جس کے پیش نظر آپ کی شناخت کی جا سکے۔"

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔

" بظاہر تو جسمانی طور پر ہمارے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن اب سے تقریباً آٹھ ماہ پہلے ایک روز میں دانتوں سے اخروٹ توڑ کر کھا رہی تھی۔ اس وقت میرا یہ دانت ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھو....."

وہ اس کے قریب جھک کر اپنا منہ کھول کر دکھانے لگی۔ واقعی ایک

دانت نہیں تھا۔ اس نے کہا۔
"ہماری پہچان یہی ہے کہ لیلیٰ کے پورے بتیس دانت تھے اور میرا ایک دانت نہیں ہے"۔
زندہ دل نے سر ہلا کر کہا۔
"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے آپ کے بیان کی تصدیق ہو سکتی تھی لیکن وہ لاش غائب کر دی گئی۔ دیکھئے لیلیٰ نیک نام نہیں تھی۔ اس نے خود کو شبانہ ثابت کرنے کے لیے اپنا ایک دانت نکلوا دیا ہو"۔
وہ جھلا کر بولی۔ "تم مجھے لیلیٰ سمجھنے پر بضد کیوں ہو؟ یہ ضد فضول ہے۔ تم ساری عمر چھان بین کرتے رہو گے۔ تب بھی مجھے لیلیٰ ثابت نہیں کر سکو گے۔ میں شبانہ ہوں، شبانہ ہی رہوں گی"۔
"اچھا آپ ایک بات بتائیں۔ آپ لوگوں نے لیلیٰ کو اپنے خاندان سے الگ کر دیا تھا کیونکہ وہ جرائم کی راہوں پر چل نکلی تھی۔ پھر آپ اس کی موت پر بےہوش ہو جانے کی حد تک کیوں روتی ہیں؟"
"میں ہمیشہ اس کے لیے روتی رہوں گی۔ وہ جیسی بھی تھی میری بہن تھی۔ کیا کسی بُرے انسان کی موت پر آنسو بہاتے رہنا خلافِ قانون ہے"۔
وہ دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔ شبانہ نے ناگواری سے کہا۔
"میرے شوہر کا پیغام سناؤ یا پھر یہاں سے چلے جاؤ۔ میرا وقت برباد نہ کرو"۔
"ایک آخری سوال پوچھتا ہوں۔ لیلیٰ کو کس لیے قتل کیا گیا ہے؟"
"ہوش میں رہ کر سوال کرو۔ کیا میں نے قتل کیا ہے کہ قتل کی وجہ بتاؤں"۔
"آپ ناراض کیوں ہوتی ہیں۔ میں وجہ بتا دیتا ہوں۔ ایل ایس ڈی کا اسٹاک اِدھر سے اُدھر ہو گیا ہے"۔
شبانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سنبھل کر پوچھا۔
"یہ ایل ایس ڈی کس چڑیا کا نام ہے؟"
"یہ ایک ٹھنڈا نشہ ہے۔ نشہ کرنے والوں کو خوابوں کی جنت میں پہنچا دیتا ہے"۔
"لیلیٰ کے قتل کا ایل ایس ڈی سے کیا تعلق ہے؟"
اس نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں چھوڑنے کے بعد کہا۔
"پرسوں رات انٹیلی جنس کے ایک آدمی نے اطلاع دی کہ ایک فون کال ٹیپ کی گئی ہے۔ فون پر ہونے والی باتوں سے پتہ چلا کہ پرنس کلب کی بالکونی والی میز پر ایل ایس ڈی کے اسٹاک کا سودا ہو رہا ہے۔ اگر بولی دینا ہو تو فوراً آ جاؤ۔ کوڈ ورڈز میں کار نمبر کے تھری ٹو ون زیرو ون کا سودا ہو گا۔ اس کال کے جواب میں کسی نے کہا کہ وہ ابھی پرنس کلب پہنچ رہا ہے ان کی گفتگو سے پتہ چلا کہ مال وہیں موجود ہے۔ رقم ادا کرتے ہی مال کی ڈلیوری دی جائے گی۔
انٹیلی جنس والوں سے ایک غلطی ہو گئی۔ انہوں نے وہاں ایک معروف جاسوس کو بھیجا مجرم اسے پہچانتے تھے۔ اسے کلب میں دیکھتے ہی سب ہوشیار ہو گئے۔ بالکونی والی میز پر لیلیٰ تین آدمیوں کے ساتھ بیٹھی رمی کھیلنے میں مصروف تھی۔ جاسوس ٹہلتا ہوا بالکونی میں پہنچا۔ تب اس نے دیکھا۔ بالکونی کے نیچے دور پارکنگ ایریے میں بہت سی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ دو کاروں کی ڈگی کھلی ہوئی تھی۔ ایک شخص ایک ڈگی کا مال دوسری ڈگی میں رکھنے کے بعد اسے بند کر رہا تھا۔
وہ جاسوس دوڑتا ہوا کلب کے قمار خانے سے باہر آیا۔ سیڑھیوں سے اترتا ہوا نیچے بار روم میں پہنچا۔ وہاں سے نکل کر باہر پارکنگ ایریے میں آیا تو وہ کار جا چکی تھی۔ جس کی ڈگی میں مال رکھا ہوا تھا اور وہ کار کھڑی ہوئی تھی۔ جس کی ڈگی خالی کی گئی تھی اور اب وہ ڈگی بھی بند ہو چکی تھی۔
کار کا نمبر کے تھری ٹو ون زیرو ون تھا اور اس کار کی مالکہ لیلیٰ تھی۔
جاسوس نے اسے کار کے پاس طلب کرنے کے بعد پوچھا۔
"تمہاری کار کی چابی کہاں ہے؟"
لیلیٰ نے اپنا پرس کھول کر چابی نکالی۔ اس چابی سے ڈگی کو کھولا۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ بولی۔
"میری کار کی ڈگی پہلے بھی خالی تھی۔ اب بھی خالی ہے۔ پھر یہ کہ چابی بھی میرے پاس تھی۔ میں نہیں مانتی کہ کسی نے یہ خالی ڈگی کھولی ہو گی۔ آپ نے کار پہچاننے میں غلطی کی ہے"۔
جاسوس لیلیٰ کو انٹیلی جنس کے دفتر میں لے گیا۔ وہاں اس نے فون کال کی ریکارڈنگ سنائی۔ وہ فون کال سن کر غصے سے اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔ اس نے کہا۔
"بے شک! اس فون کال میں میری کار کا نمبر بتایا گیا ہے لیکن میں نہیں جانتی کہ یہ کون لوگ ہیں اور میرے خلاف کس قسم کی سازش کر رہے ہیں"۔
بہرحال لیلیٰ قانونی گرفت میں نہیں آ سکی۔ وہ بہت چالاک تھی کسی نہ کسی طرح بچ نکلتی تھی۔ ایک بات میرے دماغ میں آتی ہے کہ ایل ایس ڈی کے سودے میں لیلیٰ نے کوئی گڑبڑ کی ہو گی۔ اس کے اپنے ساتھیوں نے اسے قتل کی دھمکی دی ہو گی۔ یا تو اس دھمکی کے مطابق لیلیٰ واقعی قتل کر دی گئی ہے یا پھر لیلیٰ نے اپنے بستر پر اپنی بہن شبانہ کو سلا دیا تھا۔ اب وہ شبانہ بن کر اور ایس پی صاحب کی شریک حیات بن کر اپنے دشمنوں سے محفوظ رہ سکتی ہے"۔
شبانہ نے صوفہ کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔
"ہاں تمہارے انداز میں سوچا جائے تو میں لیلیٰ ہوں۔ میں نے شبانہ کی لاش کو غائب کرا دیا تاکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ قانون کے محافظوں اور میرے ذاتی دشمنوں تک نہ پہنچے۔ میں ایس پی وحید پاشا کے سائے میں محفوظ رہوں گی۔ انسپکٹر زندہ دل اب بیٹھے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے گرفتار کیوں نہیں کرتے؟"
زندہ دل تم اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔
"ایس پی صاحب آج رات یہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ آپ کو شناخت کریں گے۔ فی الحال آپ گرفتار نہیں کی جا سکتیں۔ البتہ اگر

کوٹھی میں نظر بند رہیں گی۔ باہر سپاہیوں کا پہرہ ہے۔ آپ بغیر اجازت باہر نہ نکلیں۔ آپ کے شوہر کی لاش تک آپ کا کوئی عزیز رشتے دار بھی آپ سے ملاقات کے لیے یہاں نہیں آسکے گا۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ شبانہ چند لمحوں تک بیٹھی اس خالی دروازے کو دیکھتی رہی جہاں سے وہ گزر کر گیا تھا۔ وہ گہری سنجیدگی سے بہت کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے ٹیلیفون کی جانب دیکھا۔ وہ وحید پاشا کی آمد کے متعلق کسی سے باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن یہ سوچ کر وہاں سے اٹھ گئی کہ اس کی فون کال کہیں ٹیپ کی جا سکتی ہے۔ اس نے ملازم کو بلا کر کہا۔

"جاؤ۔ باہر جا کر دیکھو۔ کیا پولیس والوں کا پہرہ ہے؟"

ملازم گیا۔ پھر چند منٹ بعد آکر اس نے بتایا۔ "بیگم صاحبہ! وہاں پولیس والے ہیں۔ وہ لوگ مجھے بھی باہر نکلنے سے منع کر رہے ہیں۔"

وہ غصے سے جھنجلاتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آئی۔ پھر غصہ دکھانے کے لیے دروازے کو زوردار آواز کے ساتھ بند کیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر دیکھا تو وہ نوم کا آرام دہ بستر نظر آیا جہاں میاں بیوی راتیں گزارتے رہے تھے۔ آج رات اس کا میاں واپس آنے والا تھا۔ لیلیٰ کے بیڈ پر سے اس کی لاش غائب ہو گئی تھی۔ اس لیے پوسٹ مارٹم نہ ہو سکا۔ لیکن شبانہ کے بیڈ پر اس کے شوہر کو اس پوسٹ مارٹم سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ جو محبت کے اصولوں سے کرنے والا تھا۔ شبانہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی۔ پھر تھکے ہوئے انداز میں پوسٹ مارٹم کے بستر پر گر پڑی۔

○

لیلیٰ کا بنگلہ مقفل کر دیا گیا تھا۔ اور چند سپاہیوں کو پہرے پر بٹھا دیا گیا تھا۔ انسپکٹر زندہ دل نے سرونٹ کوارٹر میں پہنچ کر لیلیٰ کے ملازم سے سوال کیا۔

"پچھلی رات تم کہاں تھے؟"

"میں اسی جگہ اپنے کوارٹر میں تھا۔"

"آخری بار تم نے لیلیٰ کو کس وقت دیکھا تھا؟"

"رات کے گیارہ بجے میں کچن میں برتن دھو رہا تھا۔ مالکن نے آکر کہا شور نہ کرو۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ تم اپنے کوارٹر میں جاؤ۔ صبح آکر صفائی کر لینا۔۔۔۔۔ ان کا حکم سن کر میں اپنے کوارٹر میں آگیا۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ لیلیٰ کو قتل کیا گیا ہے؟"

"ہماری مالکن کے والد قیصر صاحب روز صبح پیدل قدمی کرتے ہوئے یہاں آتے ہیں۔ اپنی صاحبزادی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں چائے پیتے ہیں۔ پھر چلے جاتے ہیں۔ آج صبح انہوں نے یہاں میرے پاس آکر بتایا کہ انہیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

زندہ دل تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ لیلیٰ کا باپ قیصر مرزا اس کے ذہن میں چکرا تا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

نئے پادری صاحب نے ایک دیہاتی سے پوچھا۔ "کیوں ولیم تمہیں میرا وعظ کیسا لگا؟"

"بہت شاندار۔" ولیم نے جواب دیا۔ "آپ کی آمد سے پہلے تو ہمیں معلوم ہی نہیں تھا کہ دنیا میں کتنے اچھے اچھے گناہ کیے جاتے ہیں۔"

"کیا پچھلی رات گیارہ بجے لیلیٰ کوٹھی میں تنہا تھی؟"

"جی نہیں۔ مالکن نے شبانہ بیگم کو کھانے کی دعوت دی تھی۔ دعوت کے بعد ہی میں کچن میں برتن دھو رہا تھا۔ میرے ساتھ شبانہ بیگم کی بوڑھی ملازمہ حلیمہ بھی تھی۔ وہ میرا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ مالکن کے حکم سے میں نے کام ادھورا چھوڑ دیا۔ میرے یہاں آنے کے آدھے گھنٹے بعد حلیمہ نے آکر کہا کہ وہ اپنی مالکن شبانہ بیگم کے ساتھ جا رہی ہے۔ اس لیے میں آکر احاطے کا بڑا گیٹ بند کر دوں۔ میں اس کے ساتھ گیٹ تک آیا۔ وہ شبانہ بیگم کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔ میں نے گیٹ کو بند کر دیا۔"

"کیا تمہیں اس بات کا شبہ نہیں ہوا کہ حلیمہ کے ساتھ جانے والی شبانہ نہیں لیلیٰ ہے؟"

"نہیں صاحب! وہ شبانہ بیگم ہی تھیں جو لباس وہ پہن کر آئی تھیں اسی لباس میں واپس جا رہی تھیں۔"

"لباس تو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لیلیٰ نے شبانہ کو قتل کرنے کے بعد اس کا لباس خود پہن لیا ہو اور اپنا لباس اسے پہنا دیا ہو۔"

"نہیں صاحب! میری مالکن بڑی خوبیوں کی مالک تھیں۔ آپ ان کے بارے میں ایسا نہ سوچیں۔"

"یہاں تمہاری مالکن سے یعنی کہ لیلیٰ سے جو لوگ ملنے آیا کرتے تھے کیا تم ان کے نام اور پتے بتا سکتے ہو؟"

"جناب! یہاں ان کے والد قیصر صاحب کے سوا کوئی نہیں آتا تھا۔ میں نے مالکن کو کبھی کسی غیر مرد کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

زندہ دل اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ یہ ملازم اپنی مالکن کا نمک خوار ہے۔ انہیں سے نیک اور پارسا ہی کہے گا۔ خواہ پولیس کے فائل میں اس مالکن کا کردار کتنا ہی شرمناک ہو۔ اس نے پوچھا۔

"اچھا ذرا سوچ کر بتاؤ۔ پچھلی رات تم نے اپنی مالکن میں کوئی ایسی بات دیکھی ہو جو خلافِ معمول ہو۔ مثلاً یہ کہ مالکن کے بولنے کا انداز بدل گیا ہو۔ یا خلافِ معمول وہ وقت سے پہلے یا وقت کے بعد سونے کے لیے گئی ہوں؟"

"جناب! مجھے تو یہی بات عجیب لگی کہ انہوں نے مجھے کچن کا کام ادھورا چھوڑ کر جانے کے لیے کہا۔ ہاں ایک بات اور ہے۔ وہ سونے سے پہلے کیسٹ ریکارڈر پر اپنی پسند کے گانے سنتی تھیں۔ دیکھئے ان کی خوابگاہ کی کھڑکی وہ نظر آ رہی ہے۔ گانے کی آواز یہاں تک آیا کرتی تھی۔ مگر پچھلی

رات خاموشی رہی۔ ایک بھی گانے کی آواز نہیں آئی۔"

زندہ دل نے خوش ہو کر کہا۔

"گڈ، یہ تم نے کام کی بات بتائی ہے۔ دیکھو تم ایک وفادار ملازم ہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری مالکن کے قاتل گرفتار ہو جائیں تو خوب سوچ سمجھ کر اپنی مالکن کے بارے میں جو کچھ بتا سکتے ہو۔ بتاؤ۔ مجھ سے نہ چھپاؤ۔"

"جناب! میں کیا چھپاؤں اور کیا نہ چھپاؤں۔ کچھ کہوں گا تو میرے پاس اس کا ثبوت نہیں ہوگا۔"

"تم ثبوت کی پروا نہ کرو۔ جو کہنا چاہتے ہو۔ بلا جھجک کہو۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شبانہ بیگم میری مالکن کی دشمن تھیں۔ انہوں نے ہی مالکن کو ہلاک کیا ہے۔"

"کیا تم نے اپنی آنکھوں سے قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"جی نہیں مگر میں یقین سے کہتا ہوں۔"

"شبانہ تمہاری مالکن کی سگی بہن ہے۔ تم اسے دشمن کیوں سمجھتے ہو؟"

"اب میں کیا بتاؤں صاحب! کچھ کہوں گا تو مالکن اب مرنے کے بعد بدنام ہونے لگیں گی۔"

زندہ دل نے اسے تسلی دی۔

"میں تمہاری مالکن کو بدنام نہیں ہونے دوں گا۔ تم جو کہو گے اسے راز کی طرح اپنے سینے میں چھپا کر رکھوں گا۔"

"اچھا صاحب تو سنیے۔ مالکن رات کو سونے سے پہلے جدائی کے المیہ گیت سنا کرتی تھیں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ایک گانا وہ ہے "اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں"۔ اور ایک گیت وہ ہے "ساری ساری رات تیری یاد ستائے"۔ اور ایک گیت وہ ہے "رات کیونکر کٹی، یہ تجھے کیا خبر اے دردِ جگر۔ اور ایک گیت وہ ....."

"بس بس" زندہ دل نے ہاتھ اٹھا کر کہا "میں سمجھ گیا کہ لیلیٰ فراق کی ماری تھی، کسی سے محبت کرتی تھی اور اس کی جدائی میں فراق کے گیت سن کر تڑپتی تھی۔ مجھے بتاؤ۔ وہ خوش نصیب کون ہے؟"

"جناب! وہ اپنے بستر کے سرہانے والی میز پر اپنے محبوب کی تصویر رکھ کر اسے دیکھتی رہتی تھیں۔ پھر گیت سنتے سنتے سو جاتی تھیں۔ صبح میں خوابگاہ میں جا کر کیسٹ ریکارڈر کا سوئچ آف کرتا تھا۔ وہ اپنے والد کے آنے تک سوتی رہتی تھی۔ میں میز پر سے تصویر اٹھا کر دراز میں چھپا دیتا تھا تاکہ ان کے والد یا ان کی بہن شبانہ کبھی وہاں آ کر اس تصویر کو نہ دیکھ لیں۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ تصویر ایس پی وحید پاشا صاحب کی ہوتی تھی۔"

زندہ دل نے چونک کر پوچھا۔

"ایں۔ کیا کہا؟ وحید پاشا؟ یعنی کہ لیلیٰ وحید پاشا سے محبت کرتی تھی؟"

"ہاں صاحب! دیکھئے مرحومہ کی عزت کا سوال ہے۔ آپ کسی کو نہ بتائیں۔ میں نے آپ کو اس لیے بتا دیا۔ کہ آپ دشمنی کی وجہ سمجھ لیں۔ شبانہ بیگم کو شاید کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ مالکن ان کے شوہر کو چاہتی ہیں اسی لیے انہوں نے بہن کو اپنے سہاگ کا کانٹا سمجھ کر ہمیشہ کے لیے راستے سے ہٹا دیا۔"

زندہ دل نے ایک گہری سانس لی۔ پھر ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے ملازم کے بیان کا تجزیہ کرنے لگا۔ وہ نمک خوار ملازم اپنی مالکن لیلیٰ کی حمایت میں سوچ رہا تھا کہ وہ مظلوم، محبت کی ماری شبانہ کے ہاتھوں ماری گئی۔ مگر سوچنے کی بات یہ تھی کہ لیلیٰ رات کی تنہائی میں چھپ چھپ کر وحید پاشا کے لیے آہیں بھرتی تھی۔ صبح ملازم اس کے محبوب کی تصویر چھپا دیا کرتا تھا۔ پھر یہ محبت کا راز شبانہ تک کیسے پہنچ سکتا تھا؟

اب غور کرنے کے لیے دو راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ واقعی شبانہ کو اس محبت کا علم ہو گیا تھا اور اس نے لیلیٰ کو ختم کر دیا۔ دوسرے یہ کہ لیلیٰ نے وحید پاشا تک پہنچنے کے لیے اپنی سہاگن بہن شبانہ کو مار ڈالا۔

زندہ دل کے دماغ میں ایک اور سوال نے سر ابھارا۔

"کیا وحید پاشا بھی لیلیٰ سے محبت کرتا تھا؟"

○

شاپنگ سینٹر کے کارنر والی دکان کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا "لیلیٰ بیوٹی پارلر"۔

زندہ دل نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا۔ دن کے تین بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔ رات کے نو بجے کی فلائیٹ میں وحید پاشا وہاں پہنچنے والا تھا۔ یعنی ابھی چھ گھنٹے کا وقت تھا۔ اس کی آمد سے پہلے زندہ دل اپنے طور پر تفتیش کے تمام مراحل سے گزر جانا چاہتا تھا۔ لیلیٰ بیوٹی پارلر کے دروازے بند تھے۔ تالے لگے ہوتے تھے۔ مگر وہ لیلیٰ کا کاٹیج سے چابیاں لے کر آیا تھا۔ اس نے ایک سپاہی کو دکان کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ پھر پاس والی دکان کے مالک سے پوچھا۔

"کیا آپ اس دکان کی مالکہ لیلیٰ کو جانتے ہیں؟"

دکاندار نے کہا "جی ہاں! جانتا ہوں۔ کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟"

"ہاں۔ پچھلی رات کسی نے اسے قتل کر دیا ہے۔"

"ایں؟" پڑوسی دکاندار نے چونک کر کہا۔ "وہ تو بہت ہی نیک عورت تھی۔ بھلا اس کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟"

"وہ پولیس والوں کی نظروں میں ہمیشہ مشکوک رہی۔ اگر آپ نے اس کی کوئی نیکی دیکھی ہو تو بتائیں؟"

"جناب! ہم آپ اندر سے کیا ہوتے ہیں؟ یہ دوسرے نہیں جانتے۔ بظاہر وہ سیدھی سادی نظر آتی تھی۔ اپنے دکان کے ملازموں کو ہمیشہ خوش رکھتی تھی۔ سب ہی اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اسی لیے میں بھی اسے نیک عورت کہتا ہوں اور ہمیشہ کہتا رہوں گا۔"

زندہ دل نے اپنی جیب سے وحید پاشا کی تصویر نکال کر اسے

دکھاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ نے اس شخص کو اس دکان میں آتے دیکھا ہے؟"

دکاندار نے کہا: "یہ تو ایس پی صاحب ہیں۔ میں انہیں پہچانتا ہوں۔ یہ اس دکان میں کبھی نہیں آتے۔ لیکن میں نے ایک بار انہیں ہوٹل ڈیلکس میں لیلیٰ کے ساتھ دیکھا تھا۔"

زندہ دل نے کہا: "لیلیٰ کی ایک ہمشکل بہن ایس پی صاحب کی شریک حیات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے لیلیٰ کی اسی ہمشکل کو ایس پی صاحب کے ساتھ دیکھا ہو۔"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ لیلیٰ کی کوئی ہمشکل بہن ہے۔"

لیلیٰ کی دکان کا دروازہ کھل چکا تھا۔ زندہ دل اندر جا کر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف آئینے لگے ہوئے تھے۔ میک اپ اور ہیئر ڈریسنگ وغیرہ کے بہت سے سامان آئینوں کے سامنے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک ایک دراز کھول کر دیکھنے لگا۔ دکان کے پچھلے حصے میں بالوں کے مختلف اسٹائل کی وگیں رکھی ہوئی تھیں۔ چہرہ بدلنے کے مختلف ماسک بھی رکھے ہوئے تھے۔

بیوٹی پارلر میں چہرہ بدلنے کے ماسک نہیں ہوتے۔ یہ بات چونکانے والی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لیلیٰ چہرے بدلنے کے فن میں بھی ماہر تھی۔ جعلی دستخط بھی کر لیتی تھی۔ منشیات کا دھندا بھی کرتی تھی باعزت طریقہ سے بیوٹی پارلر کی دکان بھی کھول رکھی تھی۔ قانون کے خلاف کام کرتی تھی اور قانون کے محافظ ایس پی سے عشق بھی کرتی تھی۔ اس ایک لیلیٰ کے پیچھے ہزار داستانیں تھیں۔

وہ میز پر رکھے ہوئے رجسٹر کھول کر دیکھنے لگا۔ اُن کے مطالعہ سے پتہ چلا کہ وہ بالوں کی وگیں اور چہروں کے ماسک ایک کاریگر سے خریدتی تھی اور فلم کمپنیوں، تھیٹروں اور فیشن شو وغیرہ میں کرائے پر دیتی تھی۔

اس نے میز کی درازوں کو کھولنے کے لیے مختلف چابیاں آزمائیں۔ آخر وہ کھلتی چلی گئیں۔ سب سے نیچے والی دراز میں ایک چھوٹا سا رجسٹر تھا۔ اس رجسٹر کی ورق گردانی کرنے کے دوران وحید پاشا کی ایک تصویر نکل آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ تصویر کے پیچھے لکھا ہوا تھا۔

"خواہ مخواہ تصویر کے لیے ضد کرتی ہو۔ کیا بدنام کرنے کا ارادہ ہے؟ لو میں اپنا نام تم سے منسوب کر رہا ہوں۔"

اس تحریر کے نیچے وحید پاشا کے دستخط تھے۔ اس مختصر سی تحریر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وحید پاشا، لیلیٰ سے محبت کرتا ہے مگر بدنامی کے خوف سے لیلیٰ کو اپنی تصویر دینا نہیں چاہتا تھا۔ پھر محبوبہ کی ضد سے مجبور ہو کر اپنے دستخط کے ساتھ وہ تصویر دے ہی دی۔

زندہ دل نے وہ تصویر اپنی جیب میں رکھ لی۔ پھر دکان کو دوبارہ مقفل کرانے کے بعد شبانہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وحید پاشا اور لیلیٰ ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر محبت کرتے رہے ہیں تو وحید پاشا کو اپنی بیوی شبانہ کی موت کا زیادہ غم نہیں ہو گا۔ کیونکہ اسے اپنی بیوی کی کاربن کاپی لیلیٰ پیاری لیلیٰ بیوی کی صورت میں مل جائے گی۔

موجودہ حالات کے پیش نظر زندہ دل کا یہ خیال درست ہو سکتا تھا کہ وحید پاشا تھالی کے بینگن کی طرح لیلیٰ کی طرف لڑھک سکتا ہے۔ اس نے کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر کلائی کی گھڑی دیکھی۔ پونے پانچ ہو رہے تھے۔ سوا چار گھنٹے بعد وحید پاشا بھی اس کوٹھی کے دروازے پر پہنچنے والا تھا اور پردہ اٹھانے والا تھا کہ اس کی موجودہ بیوی کون ہے شبانہ یا لیلیٰ؟ یا پھر وہ ایک عاشق کا فرض ادا کرنے کے لیے لیلیٰ کو قانون کی گرفت سے بچانے والا تھا۔

کوٹھی کے اندر شبانہ اپنے بیڈ روم میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے پتہ چل رہا تھا کہ ابھی نیند سے جاگی ہے۔ نیند کی وادیوں میں شاید اپنے محبوب کو دیکھ کر آنکھ کھل گئی تھی اور اب دل اتنی شدت سے پھڑک رہا تھا کہ اس نے تکیے کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ حلیمہ شام کی چائے لے کر آئی۔ پھر اسے دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"میری بیٹی کو وحید میاں یاد آ رہے ہیں۔"

وہ دھڑکتے ہوئے دل سے بولی۔

"آیا امی! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کہیں وہ فرق محسوس نہ کریں؟"

"اے باؤلی ہو گئی ہو۔ تم وہی شبانہ ہو۔ وحید میاں کی وہی شریک حیات ہو، جو پہلے تھیں۔ کتنی بار سمجھاؤں کہ تم گھبراؤ گی تو وحید میاں کو شبہ ہو گا۔ ابھی ان کے آنے میں کافی وقت ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ چلو اٹھو چائے پی لو۔"

وہ بستر سے اٹھ کر چائے کی پیالی ہاتھوں میں لیتی ہوئی بولی۔

"آیا امی! میرے اندر کسی اندیشے والی گھبراہٹ نہیں ہے۔ دراصل انہیں پا لینے کی اتنی خوشی ہے کہ مارے خوشی کے گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ تب میں سوچتی ہوں کہ مسرتوں کے ہجوم میں کوئی بھول چوک ہو گئی تو وہ فرق محسوس کر لیں گے۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیئے۔"

اسی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔ شبانہ نے چونک کر کہا۔

"وہ آ گئے۔"

ہڑبڑا کر اٹھنے کے باعث چائے کی پیالی گر پڑی۔ اس کی آیا امی حلیمہ نے کہا۔

"بیٹی ہوش میں آؤ۔ ابھی شام کا وقت ہے اور وحید میاں رات کو آئیں گے۔ میں دیکھ کر آتی ہوں کون آیا ہے؟"

وہ خوابگاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر اس کا دروازہ

کھول کر زندہ دل کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میرا نام زندہ دل ہے۔ اب سے چار گھنٹے پہلے میں شبانہ بیگم سے یہاں ملاقات کر چکا ہوں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا نام حلیمہ ہے۔"

"جی ہاں۔ میرا نام حلیمہ ہے۔ فرمایئے۔"

"میں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر فرما سکتا ہوں۔"

وہ بوڑھی حلیمہ کو ایک طرف ہٹا کر کمرے میں آیا۔ پھر جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ ماچس کی تیلی روشن تھی۔ تیلی کے ننھے شعلے کے اس پار بوڑھی حلیمہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے کا انداز اور اس کے چہرے کی جھریاں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ سمندر کی طرح گہری ہے۔ عمر کے مطابق اس کے جسم میں گوشت کم اور ہڈیاں زیادہ تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ پھونک مارتے ہی اڑ جائے گی۔

زندہ دل نے پھونک ماری۔ تیلی کا شعلہ بجھ گیا۔ وہ اپنی جگہ چٹان کی طرح کھڑی رہی۔ اس نے پوچھا۔

"میں چار گھنٹے پہلے یہاں آیا تھا تو تم نظر نہیں آئی تھیں؟"

"میں سو رہی تھی۔"

"کیا پچھلی رات جاگتی رہی تھیں؟"

"میں کسی رات پوری نیند نہیں سوتی۔ یہ عمر ایسی ہے کہ اپنے ہی سونے جاگنے کا پتہ نہیں چلتا۔ بس سوتے میں جاگتی رہتی ہوں اور جاگتے میں سوتی رہتی ہوں۔"

"کل رات تم شبانہ بیگم کے ساتھ لیلیٰ کے ہاں گئی تھیں۔ کیا تم نے کچھ محسوس کیا کہ لیلیٰ پریشان ہے یا وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہی ہے؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ دونوں بہنیں اچھے موڈ میں باتیں کرتی رہیں۔ پھر ہم تقریباً گیارہ بجے رات کو واپس آ گئیں۔ انسپکٹر صاحب! آپ خواہ مخواہ شبانہ پر شبہ کر رہے ہیں۔ لیلیٰ جس راہ پر چل نکلی تھی۔ اس راہ پر اس کے کتنے ہی دشمن ہو سکتے ہیں۔ آپ کسی قاتل کی طرف جانے کے بجائے شبانہ کو ہی اپنی تفتیش کا مرکز بنا رہے ہیں۔ آخر آپ کس بنا پر یہ سوچتے ہیں کہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کی دشمن ہو سکتی ہیں؟"

"اس بنا پر کہ دو بہنیں ایک کھلونے کے لیے لڑ سکتی ہیں۔ ایک انار اور دو بیمار والی بات ہے۔ شبانہ بیگم کے شوہر وحید پاشا سے لیلیٰ بھی محبت کرتی تھی۔"

"یہ غلط ہے۔ آپ مرنے والی پر تہمت لگا رہے ہیں۔"

زندہ دل نے جیب سے وحید پاشا کی تصویر نکال کر بڑھیا کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ تصویر مجھے لیلیٰ بیوٹی پارلر کی دکان کے اندر ملی ہے۔ اگر تم اردو پڑھ سکتی ہو تو تصویر کے نیچے دیکھو لیلیٰ کو کیا لکھا گیا ہے۔"

حلیمہ نے آنکھیں سکیڑ کر اس تحریر کو پڑھا۔ پھر تصویر واپس کرتی ہوئی بولی۔

"وحید میاں نے لیلیٰ کو نہیں بلکہ شادی سے پہلے شبانہ کو یہ لکھ کر اپنی تصویر دی تھی۔ پھر لیلیٰ یہ تصویر شبانہ سے مانگ کر لے گئی تھی۔"

"کیا خوب۔ تم نے تو ایک ہی فقرے میں قصہ ختم کر دیا کہ لیلیٰ یہ تصویر یہاں سے مانگ کر لے گئی تھی۔ لیکن میں اس سے آگے بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ لیلیٰ کے بیڈ روم میں وحید پاشا کی ایک اور تصویر تھی۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے المیہ گیت سنا کرتی تھی اور تصویر کو دیکھتے دیکھتے سو جاتی تھی۔"

"اگر آپ وہ بیڈ روم والی تصویر مجھے دکھا دیں تو میں آپ کی بات کو صحیح تسلیم کر لوں گی۔"

زندہ دل کے پاس وہ تصویر نہیں تھی۔ وہ لیلیٰ کے بیڈ روم میں جا کر اور اس کے پلنگ کے سرہانے والی میز کے درازوں کو کھول کر دیکھ چکا تھا۔ وہ تصویر کسی نے غائب کر دی تھی۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"میری بات کو تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔ میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم ایک معمولی ملازمہ ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہو۔ جیسے یہاں کی مالکہ ہو۔ جاؤ شبانہ بیگم سے کہو۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ سو رہی ہیں۔ میں انہیں نیند سے نہیں جگاؤں گی۔ رہ گئی میری بات تو بیشک میں ملازمہ ہوں لیکن میں نے شبانہ کو بچپن میں دودھ پلایا ہے۔ میری گود میں اس کی پرورش ہوئی ہے۔ اس لیے وہ مجھے آیا امی کہتی ہے۔ اسی نسبت سے وحید میاں بھی میری عزت کرتے ہیں۔ اگر تمہارا یہاں آنا جانا رہا تو تم بھی میری عزت کرنا سیکھ جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کے پاس گئی۔ پھر زندہ دل کی طرف دیکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ صاف اشارہ تھا کہ اب یہاں سے جاؤ۔

•

وحید پاشا تقریباً بتیس برس کا خوبرو جوان تھا۔ خوبرو نہ ہوتا تو لیلیٰ بھی اس پر نہ مرتی۔ فی الحال پولیس والے وحید پاشا کو مرنے سے بچانا چاہتے تھے۔ ایئرپورٹ پر دور دور تک پولیس کے آدمی سادہ لباس میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ طیارے سے باہر آنے کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی حفاظت کے لیے کیسے کیسے انتظامات کیے گئے ہیں۔ اس نے انسپکٹر زندہ دل سے پوچھا۔

"انسپکٹر! یہ سب کیا ہے؟"

"سر لیلیٰ کا قاتل جو کوئی بھی ہے، وہ آپ کی جان کا بھی دشمن بن سکتا ہے۔"

وہ دونوں ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آ کر ایک کار میں بیٹھ گئے۔ وحید پاشا نے پوچھا۔

"لیلیٰ کا قاتل میرا دشمن کیوں ہو گا؟ میرا لیلیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"سر! کچھ تعلقات ایسے ہوتے ہیں۔ جو دنیا والوں سے چھپائے جاتے ہیں۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ کیس میرے ہاتھ میں ہے تفتیش کے دوران آپ کے متعلق مجھے کوئی ایسی کڑی قائم کرنے کا بھی حق ہے جس سے آپ کے کردار پر حرف آ رہا ہو۔"

"بے شک تم آزادی سے سوال کرو۔ میں برا نہیں مانوں گا۔"

وحید پاشا نے کار کے آگے پیچھے دیکھا۔ پولیس کی گاڑیاں اس کی حفاظت کے لیے چل رہی تھیں۔ اس نے پوچھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ڈی آئی جی صاحب کی کوٹھی کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ سر! میں نے لیلیٰ کی دکان سے آپ کی ایک تصویر پائی ہے۔ اس سے پہلے لیلیٰ کا ملازم یہ بیان دے چکا ہے کہ وہ آپ کو دیوانہ وار چاہتی تھی۔"

زندہ دل نے جیب سے وہ تصویر نکال کر اسے دی۔ وحید پاشا نے اپنی تصویر پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اسے واپس کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تصویر میں نے شادی سے پہلے اپنی بیوی شبانہ کو دی تھی۔ بعد میں شبانہ نے مجھے بتایا کہ لیلیٰ یہ تصویر مانگ کر لے گئی ہے۔ میں شبانہ پر بہت ناراض ہوا کہ جس عورت سے میں سخت نفرت کرتا ہوں۔ اسے میری تصویر کیوں دی گئی۔ مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا کہ وہ ذلیل عورت اس تصویر کے ذریعے کوئی اسکینڈل کھڑا کرے گی۔"

"تعجب ہے۔ آپ اس سے اتنی نفرت کرتے رہے۔ اس کے باوجود وہ ہر رات کو بھیس بدلتی اور آہیں بھرتی رہی۔"

"میں نے کبھی اس کی آہیں نہیں سنیں۔"

"سر! آپ نے اجازت دی ہے تو ایک اور سوال کی جرأت کرتا ہوں۔ کیا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے انجانے میں لیلیٰ کو اپنی بیوی سمجھ کر اس کے ساتھ وقت گزارا ہو؟"

"آں؟" وحید پاشا کی ہچکچاہٹ صاف ظاہر ہو گئی۔ اس نے کہا "نہیں۔ آ۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ایسا ہوا ہو۔ اور آپ کو خبر نہ ہو۔ دیکھئے لاعلمی میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔ لاعلمی میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں دھوکے سے کبھی لیلیٰ کے پاس نہیں گیا۔ یا وہ دھوکہ دے کر کبھی میرے پاس نہیں آئی۔ ایک شوہر اپنی بیوی کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ میں بھی اپنی شبانہ کو لیلیٰ کے مقابل پہچان لیتا ہوں۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کی کوٹھی کے احاطے میں وہ تمام گاڑیاں رک گئیں۔ وحید پاشا کار سے اتر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ پھر وہاں تنہائی ... میں بیٹھ کر بڑی سنجیدگی سے لیلیٰ اور شبانہ کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ شبانہ کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ چشم تصور میں جب شبانہ کا سراپا سامنے

> ایک انگریز، ایک آئرش اور ایک اسکاٹ کشتی میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کو گئے۔ اچانک کشتی کا ایک تختہ ٹوٹ گیا اور اس میں پانی آنے لگا۔ تینوں نے سوچا کہ آخری وقت میں خدا کو یاد کرنا چاہیے۔
>
> بس انگریز حمد و ثنا کرنے لگا۔ آئرش سر بہ زانو ہو کر سننے لگا اور اسکاٹ نے چندہ مانگنا شروع کر دیا۔

آتا تو اکثر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ کہیں لیلیٰ دھوکے سے نہ آ گئی ہو۔ ایسے وقت بڑی الجھن ہوتی تھی۔ دونوں بہنوں کی گفتگو کا لہجہ ایک جیسا تھا۔ البتہ ان کی اداؤں میں فرق ہو سکتا تھا لیکن اس فرق کو کبھی توجہ سے سمجھنے کا موقع نہ ملا۔

اتنے میں ڈی آئی جی وہاں آ گیا۔ اس نے مصافحہ کرتے ہوئے لیلیٰ کے قتل ہو جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر کہا۔

"وحید صاحب! ہم شکل بہنوں کی وجہ سے یہ کیس بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔ انسپکٹر زندہ دل نے آپ کو بتایا ہو گا کہ ہم آپ کی وائف شبانہ بیگم پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"یس سر! لاش کے غائب ہو جانے سے اس شبہ کو تقویت پہنچی ہے۔ بہر حال میں ابھی گھر پہنچ کر معلوم کر لوں گا کہ حقیقت کیا ہے۔"

"کیا آپ اپنی بیوی کو پہچان لیں گے؟"

"جی ہاں اس سے صرف دو باتیں کرتے ہی پہچان لوں گا۔"

"میاں بیوی کی پرائیوٹ باتیں پوچھنا تو نہیں چاہیے۔ مگر قتل کے مقدمے میں یہ باتیں عدالت تک پہنچیں گی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے ابھی بتا دیں کہ کس طرح بیوی کی شناخت کریں گے؟"

"سر! میں نے ایک بار شبانہ سے کہا تھا کہ لیلیٰ کو دیکھ کر میں اسے شبانہ سمجھ لیتا ہوں۔ لہٰذا ہمارے درمیان ایسے خفیہ کوڈ ورڈز ہوں جو لیلیٰ نہ جانتی ہو۔ اس طرح وہ مکار عورت مجھے دھوکہ دے کر میری تنہائی میں نہیں آ سکے گی۔

کوڈ ورڈز یہ ہیں۔ جب ہم خوابگاہ میں جاتے ہیں تو میں دروازہ بند کرتا ہوں۔ اس وقت شبانہ کہتی ہے "آج اتوار کا دن ہے۔" میں جواب میں کہتا ہوں "خوابگاہ کا دروازہ بند ہو جائے تو دن نہیں رہتا۔ صرف رات کی رنگینیاں ہوتی ہیں......"

ڈی آئی جی نے مسکرا کر کہا۔

"بڑے معنی خیز کوڈ ورڈز ہیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ لیلیٰ سے دھوکہ نہیں کھائیں گے۔ آپ اطمینان سے اپنے گھر جائیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے وہاں بڑا سخت پہرہ لگایا گیا ہے۔ جب تک آپ شبانہ بیگم کو شناخت نہیں کر لیں گے اس وقت تک کوئی عزیز رشتہ دار

وہاں قدم نہیں رکھے گا۔ اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو پندرہ منٹ کے اندر آپ مسلح گارڈ کو بلا کر اطمینان کا اظہار کردیں۔ ورنہ پندرہ منٹ کے بعد تمام مسلح سپاہی کوٹھی میں گھس آئیں گے۔"

"بہتر جناب! میں اس حکم کی تعمیل کروں گا۔"

اس نے بریف کیس کھول کر ایک فائل ڈی آئی جی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ رپورٹ میں نے اسکاٹ لینڈ یارڈ میں تیار کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو بہت کچھ معلوم ہوجائے گا۔ مختصراً یہ بتادوں کہ ایل ایس ڈی کو ٹوتھ پیسٹ کے خولوں میں پیک کرکے اسمگل کیا جاتا ہے۔ چھوٹے سائز کے ٹوتھ پیسٹ کے خول میں ایل ایس ڈی کی جتنی مقدار ہوتی ہے اس کی قیمت ہماری کرنسی کے حساب سے پچاس ہزار روپے تک پہنچتی ہے۔"

"اللہ رحم کرے۔" ڈی آئی جی نے حیرانی سے کہا۔ "ہمارے غریب ملک میں اتنا مہنگا نشہ پہنچ گیا ہے جو دولت مند نشے کے عادی ہیں ان کے دماغ آسمان پر اڑنے لگیں گے۔ کم حیثیت کے لوگ اس نشہ کی لذت تک پہنچنے کے لیے چوری ڈکیتی کی طرف مائل ہوجائیں گے۔ عورتیں خیالی جنت کے دروازے تک پہنچنے کے لیے بے لباس ہوجائیں گی۔"

"بڑی تباہی مچے گی جناب! ہمیں جلد از جلد ایل ایس ڈی کے اس اسٹاک تک پہنچنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لیلیٰ کے قتل ہوجانے سے اس اسٹاک کا سودا کچھ دنوں کے لیے رک گیا ہوگا۔ تھوک مال کے بیوپاری اس خیال سے سہمے ہوئے ہوں گے کہ پولیس والے ایل ایس ڈی کو بنیاد بنا کر لیلیٰ کے قتل کی تفتیش کررہے ہیں۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اور وہ کچھ دنوں تک سہمے رہیں۔ میں احکام جاری کرتا ہوں کہ ایک ہی دن، ایک ہی وقت تمام منشیات کے اڈوں پر چھاپے مارے جائیں۔ یا تو ایل ایس ڈی کا اسٹاک برآمد ہوجائے گا یا پھر اور کچھ دنوں کے لیے مجرم دہشت زدہ رہیں گے۔"

وحید پاشا ڈی آئی جی سے رخصت ہوکر باہر آیا۔ پھر وہی کار پولیس کی گاڑیوں کے گھیرے میں اسے اس کے گھر تک لے جانے لگی۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ سے ٹیک لگا کر سوچنے لگا۔ ہر انسان کی کوئی نہ کوئی ایسی کمزوری ضرور ہوتی ہے جس پر وہ تنہائی میں غور کرتا ہے۔

بے شک لیلیٰ اس کی کمزوری تھی لیکن ایسی کمزوری نہیں کہ وہ شبانہ کو نظروں سے گرا دیتا۔ شبانہ اس کی محبت اس کی زندگی تھی۔ اور لیلیٰ تو محض جوانی کا ایک نشہ تھی جو ایک بیماری کی طرح اسے لگ گئی تھی۔

اب سے دو برس پہلے کی بات ہے۔ وحید پاشا کی زندگی میں پہلے شبانہ آئی تھی۔ پہلی محبت کا تاثر ہمیشہ پائیدار ہوتا ہے۔ اس حسین محبت کی حسین نقل گلے کا ہار بن جائے۔ تب بھی اصل کا پلہ بھاری رہتا ہے۔

لیلیٰ ایک ضدی اور خود سر لڑکی تھی۔ کالج میں اس کی دوستی ایسی لڑکیوں سے تھی جو سگریٹ پیتی تھیں اور جنسی کتابیں پڑھتی تھیں۔ ان کتابوں نے مردوں سے دوستی کرنی سکھائی۔ لیلیٰ کی زندگی میں جو پہلا مرد دوست آیا۔ وہ اس معاشرے کا بہت ہی مہذب اور شریف بدمعاش تھا۔ اس کے پاس کوٹھی، کار اور لاکھوں روپے کا بینک بیلنس تھا۔ اس دولت کے پیچھے منشیات کا کاروبار کرتا تھا۔ زندگی کے ساٹھ برس گزر گئے تھے۔ اس بڑھاپے میں لیلیٰ جیسی حسین لڑکی ہاتھ آئی تو وہ اس کا غلام بے دام بن کر رہ گیا۔

لیلیٰ کے گھر والوں نے اس کی مخالفت کی تو وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ اس بوڑھے سے شادی کرلی۔ شادی سے پہلے کوٹھی اور دکان اپنے نام لکھوالی۔ پھر کوٹھی کے بیرونی گیٹ پر "لیلیٰ کاٹیج" اور دکان کی پیشانی پر "لیلیٰ بیوٹی پارلر" لکھ دیا گیا۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں تین لاکھ روپے جمع کردیے گئے۔ لیلیٰ کو اتنی دولت کسی جوان عاشق سے نہیں مل سکتی تھی اور اس بوڑھے عاشق کو لیلیٰ جیسا حسن و شباب نہیں مل سکتا تھا۔ اس لیے دونوں نے ایک دوسرے کو میاں بیوی کی حیثیت سے قبول کرلیا۔

لیکن وہ پورے چار ماہ تک بھی سہاگن نہ رہ سکی۔ وہ بوڑھا اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ جب تک وہ ساتھ رہا اتنے عرصے میں اس نے لیلیٰ کو منشیات کے دھندے کی اونچ نیچ سکھا دی۔ اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے اس نے پہلی بار اس ملک میں ایل ایس ڈی کو لانے اور پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ لندن کے ایک بدنام اسمگلر سے سودے بازی کی۔ جب ایل ایس ڈی کی پہلی کھیپ اسمگل ہوکر اس کے پاس آئی تو وہ اس سے منافع حاصل کرنے کی آرزو لے کر مر گیا۔

موت نے اسے مہلت نہ دی۔ اب ایل ایس ڈی کی اس پہلی کھیپ سے لیلیٰ کو اٹھارہ لاکھ کا منافع حاصل ہونے والا تھا۔ اس نے بڑی سہولت اور اطمینان سے دولت مند افراد کو پھانسنا شروع کیا۔ وہ حسین تھی، جوان تھی، عیاش دولت مند خود ہی کھنچے چلے آتے تھے۔ رئیس اعظم حشمت بیگ کو اس نشے کا چسکا پڑ گیا تھا۔ اس نے لیلیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایل ایس ڈی کے ایک ٹیوب کی قیمت پچاس ہزار روپے ادا کرے گا۔ جب وہ مال لے کر اس کی کوٹھی میں پہنچی تو حشمت بیگ نے کہا۔

"میرے پاس نقد رقم نہیں ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "حشمت صاحب! میں وعدہ خلافی پسند نہیں کرتی۔ اگر نقد رقم کا انتظام نہیں ہوسکا تھا تو آپ مجھے فون پر اطلاع دے سکتے تھے۔"

"ناراض کیوں ہوتی ہو۔ میں پچاس ہزار کا چیک دے سکتا ہوں۔"

"آپ کی زبان کی طرح چیک بھی جھوٹا ہوسکتا ہے۔"

"تم میری توہین کررہی ہو۔ میں کوئی کنگال رئیس نہیں ہوں۔ اب تو تمہیں چیک لے کر اور مال دے کر ہی جانا ہوگا۔ میں یہ بے عزتی برداشت

نہیں کروں گا۔"

لیلیٰ نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔

"میں کاروبار میں جھگڑے اور دشمنی پسند نہیں کرتی۔ آپ پچاس ہزار کا چیک لکھ دیں۔"

حشمت بیگ نے چیک لکھ کر دیا۔ لیلیٰ نے اپنے پرس سے ایک ٹیوب نکال کر اسے دیا۔ پھر وہاں سے جانے کے لیے اٹھ گئی۔ حشمت بیگ نے کہا۔

"ٹھہرو۔ پہلے میں اسے آزماؤں گا۔"

اس نے ایل ایس ڈی کو آزمایا۔ پھر بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں۔ مال ٹھیک ہے۔ تم جا سکتی ہو۔ میرا ملازم دروازہ بند کر دیگا۔"

وہ چلی گئی۔ حشمت بیگ نے وہ رات خوابوں کی جنت میں گزاری۔ دوسرے دن اس نے ایل ایس ڈی کو ایک خوبصورت سی شیشی میں رکھنے کے لیے ٹیوب سے نکالا تو پتہ چلا کہ ٹیوب کے اگلے حصے میں تھوڑی سی ایل ایس ڈی ہے۔ باقی ٹیوب میں دانت مانجھنے کی کریم ہے۔ اس فراڈ پر غصے سے تلملانے لگا۔ اس نے بینک کے منیجر کو فون پر اطلاع دی کہ اس کی چیک بک سے فلاں نمبر کا چیک غائب ہو گیا ہے۔ اگر کوئی اس چیک کا حامل آئے تو فوراً اسے روک لیا جائے۔

منیجر نے بتایا کہ۔ "حشمت صاحب! لیلیٰ نام کی ایک عورت اس چیک کے ذریعے پچاس ہزار روپے لے گئی۔ اگر آپ اپنے دستخط سے انکار کر رہے ہیں تو پھر فوراً اس عورت کے خلاف تحریری بیان ہمیں دیں ہم قانونی کارروائی کریں گے۔"

پھر قانونی کارروائی شروع ہو گئی۔ لیلیٰ نے کہا۔

"حشمت صاحب! میرے پرس میں دو ٹیوب رکھے رہتے ہیں جو جس قدر نقد رقم دیتا ہے اسے میں صحیح مال دیتی ہوں۔ آپ نے چیک دیا تھا۔ جب تک وہ کیش نہ ہو جاتا میں آپ کو صحیح مال نہیں دیتی۔ بینک سے رقم حاصل ہونے کے بعد میں آپ کو صحیح ٹیوب دیتی مگر آپ سے کوٹھی میں ملاقات نہ ہو سکی۔"

"تم اپنی صفائی پیش نہ کرو۔ تم نے مجھ سے فراڈ کیا ہے۔ اب اس کی سزا تمہیں ملے گی۔ میں نے رپورٹ لکھوائی ہے کہ چیک پر میرے دستخط ہیں۔ مگر میرے ہاتھ سے کیے ہوئے دستخط نہیں ہیں۔"

"جی ہاں۔ پولیس والے مجھے جعلی دستخط کی ماہر سمجھ رہے ہیں۔ مگر آپ پچھتائیں گے۔ جب عدالت کے حکم پر وہ چیک کسی تحریر شناس کے پاس بھیجا جائے گا تو میں الزام سے بری ہو جاؤں گی۔ مجھ سے پوچھا جائے گا تو کہہ دوں گی کہ میں نے آپ سے وہ رقم بطور قرض لی تھی اور وہ رقم اپنے کاروبار میں لگا چکی ہوں۔ میرے کاروبار میں اتنی آمدنی نہیں ہے کہ یک مشت قرض ادا کر سکوں۔ لہٰذا ہر ماہ پانچ سو روپے ادا کرتی رہوں گی۔

حشمت بیگ اس کا منہ تکنے لگا۔ پہلے اس نے غصے میں نہیں سوچا تھا مگر اب سوچ رہا تھا کہ تحریر اور دستخط وغیرہ کو پرکھنے والا کوئی بھی ماہر یہی رپورٹ پیش کرے گا کہ چیک پر حشمت بیگ کے دستخط ہیں۔ لیلیٰ کہہ رہی تھی۔

"آپ ہر ماہ پانچ سو روپے مجھ سے وصول کرنے کے لیے میری کوٹھی اور دکان کے چکر لگاتے رہیں گے پھر یہ کہ آئندہ آپ کو ایل ایس ڈی کی ایک خوراک بھی نہیں ملے گی۔"

حشمت بیگ نے اعتراف کیا کہ اس سے بڑی بھول ہوئی ہے اور وہ سمجھوتے کے لیے راضی ہے۔ پھر دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ حشمت بیگ نے بینک منیجر سے کہا کہ اس نے شراب کے نشے میں وہ چیک لیلیٰ کو دیا تھا۔ پھر یہ بات بھول گیا۔ اب لیلیٰ کے یاد دلانے سے یاد آ گیا ہے۔ پھر اس نے تھانیدار کی جیب گرم کی اور وہاں سے اپنی شکایت واپس لے لی۔ لیلیٰ نے وعدے کے مطابق صحیح ٹیوب اس کے حوالے کر دیا۔

دوسری طرف شبانہ تجربے کے مراحل طے کرتی ہوئی بیوی کے مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔ وحید پاشا نے شادی کے موقع پر ایک بار لیلیٰ کو دیکھا تھا۔ پھر اس نے شبانہ سے کہہ دیا۔

"مجھے لیلیٰ سے سخت نفرت ہے۔ اس سے کہہ دو کہ میرے گھر نہ آیا کرے۔ تم اپنی بہن سے میکے میں جا کر مل لیا کرو۔"

شبانہ کو شوہر کی باتوں سے دکھ پہنچا کہ بہن ایسی آوارہ نہ ہوتی تو وہ شوہر کے سامنے کتنے فخر سے میکے کی بڑائی کر سکتی تھی۔ اس نے لیلیٰ کو فون پر اپنے شوہر کا حکم سنانا چاہا لیکن اس سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ دو روز بعد وہ خود آئی تو شبانہ نے کہا۔

"تم تنہا زندگی کیوں گزار رہی ہو، دوسری بار شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "بہت سی عورتیں کوٹھی، کار اور بھاری بینک بیلنس کے لیے شادی کرتی ہیں۔ یہ سب کچھ میرے پاس ہے۔ مگر ایک محبت کرنے والا جیون ساتھی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو آج تمہارا نام حشمت بیگ جیسے عیاشوں کے ساتھ نہ لیا جاتا۔"

ایک بیوی کے شوہر اور دس بچوں کے باپ کی میز پر ہمیشہ ایک بڑے مرتبان میں مچھلی تیرتی رہتی تھی۔

اس کے دوست نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔ "کم سے کم ایک ایسی شے میرے پاس ضرور ہے جو اپنا منہ کھولتی ہے تو کوئی چیز نہیں مانگتی۔"

"شبانہ! میں غلط الزام برداشت نہیں کر سکتی۔ حشمت بیگ سے میرا کوئی ناجائز تعلق نہیں ہے۔ وحید صاحب کو سمجھا دو کہ وہ مجھ سے خواہ مخواہ نفرت نہ کیا کریں۔"

"کیا تم نے وحید سے ملاقات کی تھی؟"

"انہیں دفتر میں فون کیا تھا تو وہ فون پر ہی مجھے ڈانٹنے لگے۔ مجھ سے نفرت ظاہر کرتے ہوئے بولے کہ میں آئندہ ان کے گھر نہ آیا کروں۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی صفائی میں کچھ کہتی، انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے سوچا کل شام کو آکر انہیں مناؤں گی مگر شام کو یہاں آنے کی فرصت نہیں ملی۔ اس لیے اب آئی ہوں۔ کہاں ہیں تمہارے میاں صاحب؟"

"وہ دفتر جا چکے ہیں۔ تم انہیں فون پر پریشان نہ کیا کرو۔"

"میں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ اسی لیے تو اپنے بہنوئی کو یہاں منانے آئی ہوں۔ اب وہ نہیں ملے تو کوئی بات نہیں۔ میں شام کو آجاؤں گی۔"

وہ ... جانے لگی۔ شبانہ نے کہا۔

"ٹھہرو! شام کو ہم سے ملاقات نہیں ہوگی۔ وحید دفتری کام سے فیض آباد جا رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ جا رہی ہوں۔ ہم کل واپس آجائیں گے، تم کل رات کو آنا۔"

"آج آپ لوگ کون سی ٹرین سے جا رہے ہیں؟"

"تین بجے والی ٹرین سے جائیں گے۔ سات بجے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے، میں اسٹیشن پر ملنے آؤں گی۔"

"نہیں لیلیٰ! وہاں ان کا موڈ خراب ہو جائے گا۔ میری تفریح برباد ہو جائے گی۔ تم جانتی ہو کہ انہیں کتنی جلدی غصہ آجاتا ہے۔ وہ پلیٹ فارم پر ہی سب کے سامنے تمہاری انسلٹ کر دیں گے اور یہ میری بھی بے عزتی ہوگی۔"

لیلیٰ کے چہرے پر اچانک ہی سختی آگئی۔ اس نے حقارت سے کہا۔

"میں محبت سے میل جول رکھنا چاہتی ہوں۔ اگر کوئی نفرت کرے تو مجھے بھی نفرت کرنی آتی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔

تین بجے کی ٹرین میں بڑی بھیڑ تھی۔ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں صرف بیٹھنے کی جگہ ہی مل سکی۔ جب ٹرین چل پڑی تو وحید پاشا نے شبانہ سے کہا۔

"کل لیلیٰ نے مجھے دفتر میں فون کیا تھا۔ میں نے اسے ڈانٹ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔ آج اس نے پھر فون کیا۔ کہنے لگی کہ میں اسے معاف کر دوں، ورنہ وہ فیض آباد تک میرا پیچھا کرے گی۔ وہ سالی تو کیبل بن گئی ہے۔"

شبانہ نے ہنستے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"آخر آپ کی سالی ہے۔ تھوڑا پریشان کرنے کا حق رکھتی ہے۔"

"اونہہ۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "اگر اب وہ قانون کی گرفت میں آئے گی تو میں اسے جیل کی ہوا کھلا کر ہی رہوں گا۔ رشتوں کا لحاظ نہیں کروں گا کہ وہ تمہاری بہن ہے۔"

شبانہ نے اس کے بازو میں چٹکی لی۔ وہ اپنے بازو کو سہلاتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ تم نے پہلے کبھی اس انداز سے شوخی نہیں دکھائی۔"

"کیا انداز بدلنا جرم ہے۔ آخر میں اپنے میاں کو ہی تو شوخیاں دکھا رہی ہوں۔"

وہ مسکرا کر سرگوشی میں بولا۔

"اگر تنہائی میسر آجائے تو اس شوخی کا جواب ایسا دوں گا، ایسا دوں گا کہ... کہ تم اور شوخ ہو جاؤ گی۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ ٹرین آدھا گھنٹہ لیٹ تھی۔ وہ ساڑھے سات بجے فیض آباد پہنچے۔ ہوٹل میں رات کا کھانا کھایا پھر ڈاک بنگلے میں آگئے۔ وحید پاشا نے پوچھا۔

"میرا کون سا لباس لائی ہو؟"

"کوئی سا بھی نہیں۔ آپ تو ڈیوٹی پر آئے ہیں۔ کل صبح بھی وردی پہن کر ہی ڈاک بنگلے سے نکلیں گے۔"

"تو کیا ہوا؟ کم از کم ایک جوڑا تو لے آنا چاہیے تھا۔ کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا؟"

وہ اپنا سوٹ کیس کھولتی ہوئی بولی۔

"آپ نے خود کہا تھا۔ بس اب آپ شوہر ہونے کا رعب نہ جمائیے۔ میری ساڑھی کو دو تہہ کر کے لنگی کی طرح باندھ لیجیے۔ بند کمرے میں یہ کوئی دیکھنے نہیں آئے گا کہ اتنے بڑے افسر نے ساڑھی باندھی ہے۔"

اس نے ساڑھی کو اس کی طرف اچھال دیا۔ پھر پلٹ کر دروازے کے پاس گئی اور اسے بند کرنے کے بعد اس سے ٹیک لگا کر اسے شوخ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ وردی اتارنے لگا تو وہ بولی۔

"جناب! یہ کیا بدتمیزی ہے۔ چلیں آپ باتھ روم میں جا کر کپڑے تبدیل کریں۔"

"کیوں محترمہ! آج کوئی نئی بات ہے کیا؟ یا آپ پہلی رات کی طرح شرما رہی ہیں؟"

"جی نہیں۔ شرم اور بے شرمی کی بات نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ روز کے معمولات میں کبھی تبدیلیاں بھی آنی چاہئیں۔ میں

ایس پی وحید پاشا کی ملکۂ عالیہ کی حیثیت سے حکم دیتی ہوں کہ آپ فوراً باتھ روم میں چلے جائیں۔"

"ملکۂ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔" اس نے سر کو خم کیا پھر باتھ روم کے دروازے پر پہنچ کر بولا۔ "شبانہ! تمہارا یہ بدلا ہوا انداز بڑا پیارا ہے۔ بائی گاڈ مزہ آرہا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے باتھ روم کے دروازے کو بند کر لیا۔ وہ مسکراتی ہوئی سوٹ کیس کے پاس آئی۔ اس میں سے اس نے نیلے رنگ کا بلب نکالا۔ پھر سوئچ آف کر کے تیز روشنی والے بلب کو ہٹا کر وہاں وہ زیرو پاور والا بلب لگا دیا۔ وحید پاشا لباس تبدیل کر کے باتھ روم سے باہر آیا تو کمرے میں ہلکی خواب آور رومان پرور نیلی روشنی دیکھ کر یوں محسوس کرنے لگا جیسے آج شبانہ کے ساتھ اس کے پیار کی پہلی رات ہے۔

نیلی مدھم سی روشنی میں وہ چھپی چھپی سی نظر آرہی تھی۔ مینٹل پیس سے ٹیک لگا کر ایسے دلکش انداز میں کھڑی ہوئی تھی کہ دل کھنچا جا رہا تھا۔ وہ دونوں بازو پھیلا کر اس کے قریب پہنچا۔ شبانہ گھوم کر ہنستی ہوئی مینٹل پیس کے دوسرے سرے پر پہنچ گئی۔ وحید پاشا نے کہا۔

"انداز بدلنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم تڑپانا شروع کر دو۔"

"وحید! آپ سچ سچ بتائیں آج میں کیسی لگ رہی ہوں۔"

"بالکل نئی، بالکل اچھوتی لگ رہی ہو۔ جب تم سچ پوچھ رہی ہو تو میں اپنے دل کی بات بتاتا ہوں۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے تمہاری بیویوں والی حرکت سے کچھ اکتا گیا تھا۔ کوئی بھی شخص روز ایک ہی جیسی فلم دیکھے تو اس کا بیزار ہو جانا لازمی ہے۔ ایک سمجھدار بیوی کو کبھی کبھی ایک البیلی محبوبہ کا انداز بھی اختیار کرنا چاہیے۔ تم واقعی سمجھدار ہو۔"

وہ پھر اس کی جانب بڑھنے لگا۔ شبانہ نے کہا۔

"ٹھہریئے، صرف بیوی کو نہیں، شوہر کو بھی سمجھدار ہونا چاہیے یہ کیا کہ جب چاہا بیوی کو اپنی جاگیر سمجھ کر سینے سے لگا لیا۔ جب بیزار ہو گئے تو گھر کی چار دیواری میں فالتو سامان کی طرح چھوڑ دیا۔ تمہیں آپ میرے قریب یہ سوچ کر آئیں کہ میں صرف محبوبہ ہوں۔ ایک نازک سی ٹوٹ جانے والی چیز ہوں۔ کسی بات سے ناراض ہو کر دور جا سکتی ہوں۔ بیوی کی طرح سہم کر بیٹھی نہیں رہوں گی۔"

وہ بالکل قریب آکر سرگوشی میں بولا۔

"شبانہ! میری شبانہ! میرا دل یوں دھڑک رہا ہے جیسے ابھی تم میری زندگی میں آئی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی کی آخری سانس تک تم سے محبت کرتا رہوں گا مجھے چھونے کی اجازت دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ چاند نے زمین پر اتر کر تمہارے روپ میں

"ڈاکٹر کو بلاؤ ڈارلنگ۔ مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اب میں چند لمحوں کی مہمان ہوں۔"

"گھبراؤ نہیں ڈیئر۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلانے جاتا ہوں۔ آنے جانے میں زیادہ سے زیادہ صرف ایک گھنٹہ لگے گا۔"

کیسے مجسم ہو گئی ہے۔"

اس نے بڑی محبت سے اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھے پھر وہ ہاتھ پھسلتے ہوئے اگلی گردن پر پہنچے۔ وہ نظریں جھکائے شرما رہی تھی۔ وحید پاشا کی انگلیاں اب اس کے گلابی چہرے کو چھو رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ بالکل نئی، بالکل اچھوتی لگ رہی تھی۔ اس نے بے اختیار اسے چومنا چاہا۔ شبانہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اس کے ہاتھ کو تھام کر اپنے نیکلس پر رکھ دیا۔ اشارہ تھا کہ پہلے زیورات اتار دو۔

وہ بہت ہی مضطرب ہو کر ایک ایک زیور اتارنے لگا۔ منزل تک پہنچنے کی جو بے چینی جو جذبہ ہوتا ہے، وہ محبت کی شدت کو بڑھاتا ہے اور اپنے سامنے والی عورت کی اہمیت لمحہ بہ لمحہ بڑھاتا ہے۔ اس نے تمام زیورات اتار کر مینٹل پیس پر رکھنے کے بعد اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ پھر اسے دیوانہ وار چومنے لگا۔

اب اس کی شوخیاں نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھیں، وہ جذبوں کے ہجوم میں ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ جیسے پہلی بار کسی کے قریب آئی ہو۔

پہلی بار؟

ہاں پہلی بار۔ اب سے پہلے اس نے صرف ساٹھ برس کے ایک بوڑھے خاوند کو دیکھا تھا۔ اب اسے پتہ چلا کہ واقعی وہ تو بوڑھا تھا۔ جوان تو کچھ اور ہوتے ہیں۔ ہوش یوں اڑا دیتے ہیں جیسے بوتل کے کاک اڑ جاتا ہے۔ جیسے طوفان میں تنکا اڑتا ہے۔ اس نے دونوں بازوؤں میں اسے اٹھا لیا۔ پھر بیوی کی سیج پر محبوبہ کو لا کر بچھا دیا۔

اے زیرو پاور کے نیلے بلب! تو کیا دیکھ رہا ہے؟

اے نیلے بلب! تو زیرو ہے۔ تیری آنکھ کی روشنی کم ہے۔ تو ہم شکل، ہم بدن اور ہم جذبات کے فرق کو نہیں سمجھ سکے گا۔ بس اب آنکھ بند کر لے۔

اسی وقت وہ بجھ گیا۔

تاریکی میں لیلا کا دماغ بول رہا تھا۔ "واقعی ایسا جیون ساتھی نہ ہو تو یہ جوانی کس کام کی رہ جاتی ہے؟ میرے پاس دولت اور عیش و آرام کا تمام سامان ہے مگر وحید پاشا نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اب میرا یہ فیصلہ ہے کہ شبانہ کو جتنی دیر خوش نصیب

رہنا تھا، رہ چکی۔ اب یہ خوش نصیبی میری جھولی میں رہے گی۔ آج تک تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو میں نے چاہا ہو وہ مجھے ملا نہ ہو۔ میں وحید پاشا کو حاصل کر کے ہی رہوں گی.....''

صبح وہ دیر تک وحید پاشا کی آغوش میں لیٹی رہی۔ وحید پاشا نے کہا۔

''شبانہ! تم نے اپنے اندر بڑی خوبصورت تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ میں ڈاک بنگلے کی یہ رات کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ تمہیں چھوڑ کر جاؤں، مگر ڈیوٹی پر جانا ضروری ہے۔''

اسے مجبوراً بستر سے اٹھنا پڑا۔ جب وہ غسل کر کے، پھر ناشتہ کر کے وردی پہننے کے بعد رخصت ہونے لگا تو لیلے نے کہا۔

''آپ مجھے یہاں کے دفتر کا فون نمبر بتائیں۔ میرا دل گھبرائے گا تو آپ سے باتیں کروں گی۔''

وہ نمبر بتا کر بڑے پیار سے رخصت ہو گیا۔ لیلے بہت دیر تک بستر پر پڑی منصوبے بناتی رہی کہ کس طرح اپنے محبوب کو حاصل کرے؟ بہت کچھ سوچنے کے بعد وہ باتھ روم میں گئی۔ غسل سے فارغ ہو کر اس نے اچھا سا لباس پہنا۔ تمام سامان سمیٹ کر سوٹ کیس میں رکھا۔ پھر اسے اٹھا کر وہاں سے چل پڑی۔ ایک گھنٹے بعد اس نے وحید پاشا کو ایک ٹیلی فون بوتھ سے کال کی۔ رابطہ قائم ہوتے ہی وہ بولی۔

''ہیلو وحید! کیا آپ مجھے آواز سے پہچان سکتے ہیں؟''

دوسری طرف وحید پاشا نے بڑی خوش مزاجی سے کہا۔

''میری جان! میں تو لاکھوں میں تمہاری آواز پہچان سکتا ہوں۔''

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''یعنی تم اپنی جان لیلے کی آواز پہچان رہے ہو۔''

''شبانہ! میں اچھے موڈ میں ہوں۔ تم لیلے کا ذکر نہ کرو۔''

''کیا ساری رات اسے چومتے رہنے اور محبت کی قسمیں کھاتے رہنے کے بعد بھی اس سے نفرت ہے؟''

''کیا مطلب ہے شبانہ! یہ تم کیا بک رہی ہو؟''

''میں شبانہ نہیں لیلے ہوں۔ اگر غصے سے ریسیور رکھنا چاہتے ہو تو اتنا سن لو کہ جلال آباد واپس جاؤ گے تو شبانہ کے پاس جا کر الجھ جاؤ گے۔ میں تمہیں اس الجھن سے بچانا چاہتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ ذرا چپ ہوئی۔ وحید پاشا نے غصے سے کہا۔

''بکواس کرو، میں سن رہا ہوں۔''

لیلے نے کہا۔ ''کل صبح میں تمہارے گھر گئی تھی۔ میں تمہیں سمجھانا چاہتی تھی کہ میں قابلِ نفرت نہیں ہوں لیکن شبانہ سے پتہ چلا کہ تم نے اپنے گھر میں میرا داخلہ بند کر دیا ہے اور یہ کہ شبانہ کے ساتھ تین بجے کی ٹرین سے فیض آباد جا رہے ہو۔ تب میں نے اسی وقت سب کچھ سوچ لیا۔ تم اپنے گھر میں آنے سے منع کر رہے تھے۔ میں نے تمہارے دل میں گھر بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے اپنے گھر آ کر اپنے ایک ملازم کو سمجھایا کہ اسے فون پر شبانہ سے کیا کہنا ہے۔ اس نے میری ہدایت کے مطابق ٹھیک دو بجے فون کا ریسیور اٹھایا، تمہارے گھر کا فون نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے شبانہ کی آواز سنائی دی تو اس نے کہا۔

''بیگم صاحبہ! میں ایس پی صاحب کا اردلی بول رہا ہوں۔ پرنسٹن اسٹریٹ میں ایک عورت اور چار بچوں کا قتل ہو گیا ہے۔ صاحب وہاں گئے ہیں۔ اتنی بھیانک واردات ہوئی ہے جی کہ وہ آج فیض آباد نہیں جا سکیں گے۔ انہوں نے بڑی عجلت میں یہاں سے جاتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ کو اطلاع دے دوں وہ شام کو چھ بجے تک گھر آ جائیں گے۔''

ملازم نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنا سوٹ کیس اٹھا کر اسٹیشن پہنچ گئی۔ تم ٹرین میں میرے ہمسفر رہے۔ اپنی بیوی کی سیج پر میرے ہمسفر رہے۔ اب میں جلال آباد واپس جا رہی ہوں۔ ہو سکے تو اب میرے متعلق سنجیدگی سے غور کرو۔ میں کل رات تک گناہ گار نہیں تھی۔ چار ماہ کی سہاگن بن کر بیوہ ہو گئی۔ اس کے بعد تم پہلے شخص ہو، جو میری تنہائی میں رہے۔ تمہارے بعد اور کوئی نہیں آئے گا۔ آج سے میں تمہارے ہی انتظار میں زندہ رہوں گی۔''

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا لیکن وحید پاشا جوں کا توں کان سے ریسیور لگائے بیٹھا رہ گیا۔ اب اس کی نگاہوں کے سامنے جلال آباد سے لے کر ڈاک بنگلے تک کے تمام مناظر یکے بعد دیگرے گزرتے جا رہے تھے۔ شبانہ اور لیلے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئی تھیں۔ پھر پچھلی رات کی تمام باتیں اور تمام ادائیں لیلے کو شبانہ سے الگ کرنے لگیں۔ فرق صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ خیالوں میں لیلی اس کے بازوؤں میں چٹکی لے کر کہہ رہی تھی۔

''کیا انداز بدلنا جرم ہے؟ آخر میں اپنے میاں کو ہی شوخیاں دکھا رہی ہوں۔'' (حالانکہ وہ بیوی نہیں تھی)

تصور کی اسکرین پر منظر بدل گیا۔ وہ خود اعتراف کر رہا تھا۔

''تم بالکل نئی، بالکل اچھوتی لگ رہی ہو۔ کوئی بھی شخص روز ایک جیسی فلم دیکھے تو اس کا بیزار ہو جانا لازمی ہے۔ ایک سمجھدار بیوی کو کبھی کبھی ایک البیلی محبوبہ کا انداز بھی اختیار کرنا چاہیے۔''

اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ محبوبہ ہی بن کر آئی تھی اسی لیے انداز محبوبانہ تھے۔ اب اس کی ایک ایک ادا یاد آ رہی تھی جو شبانہ کی اداؤں سے مختلف تھی۔ اس کے باوجود پچھلی رات ان کا فرق

سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وحید پاشا رومال سے پسینہ پونچھتا جا رہا تھا اور پچھلی رات کے ایک ایک لمحے کو یاد کرتا جا رہا تھا۔

اپنی عادت کے مطابق اسے غصے میں آ کر فوراً ہی لیلےٰ کے خلاف قدم اٹھانا چاہیئے تھا لیکن وہ سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ جس سے شدید نفرت تھی وہی دماغ میں محبت سے نقش ہو رہی تھی۔ ابھی وہ اپنے دل میں یہ اعتراف کرنے سے ہچکچا رہا تھا کہ وہ اچھی لگ رہی ہے۔ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ فوراً ہی اپنی کسی کمزوری کا اعتراف نہیں کرتا اور اگر وہ کمزوری خوبصورت ہو تو اسے دنیا والوں سے تو کیا خود اپنے سے بھی چھپا کر رکھتا ہے۔

اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر دوبارہ اٹھایا۔ پھر جلال آباد اپنی کوٹھی کا فون نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف حلیمہ نے ریسیور اٹھایا پھر اس نے وحید پاشا کی آواز سن کر ریسیور شبانہ کو دے دیا۔ شبانہ نے کہا۔

"ہیلو وحید! آپ کل سے گھر نہیں آئے۔ ابھی میں دفتر میں فون کرنے والی تھی۔"

وحید پاشا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"میں جلال آباد میں نہیں ہوں۔ ایک کیس کے سلسلے میں فیض آباد پہنچ گیا ہوں۔"

"واہ جناب! آپ نے میرے ساتھ جانے کا پروگرام بنایا مگر اکیلے ہی وہاں پہنچ گئے۔ معاملہ کیا ہے؟"

"بہت ہی سنگین معاملہ ہے۔ کیا تمہیں میرے اردلی نے اطلاع نہیں دی تھی؟"

"دی تھی۔ آپ کسی قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں۔ مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ قاتل کہیں آپ کا دشمن نہ بن جائے۔"

"گھبراؤ نہیں، میں آج رات دس بجے تک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اوکے۔ خدا حافظ....!"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی شبانہ کی آواز مر گئی اور نگاہوں کے سامنے پھر لیلےٰ زندہ ہو گئی حالانکہ دیکھنے میں وہ شبانہ ہی نظر آتی تھی۔ صرف اپنی شوخی اور شرارت سے پہچانی جاتی تھی کہ وہ لیلےٰ ہے۔

ایک خیال اس کے دل میں آیا کہ اگر لیلےٰ آئندہ کبھی سنجیدہ بن کر پھر اسے فریب دے گی تو وہ کس طرح اسے پہچانے گا۔ یہ کوئی ایسی پہچان ضروری ہے کہ وہ پہلی ہی نظر میں دونوں کے فرق کو واضح طور پر سمجھ لے۔ جب وہ جلال آباد واپس آیا اور رات کے ساڑھے دس بجے گھر پہنچا تو شبانہ نے اسے دیکھتے ہی سر پر آنچل رکھ کر سلام کیا۔ یہ انداز شبانہ کے نیک اطوار کا ایک حصہ تھا۔

لیکن بیوی کی صورت دیکھتے ہی پہلے یہ خیال آیا کہ کہیں وہ اب کی بار سنجیدہ ہو کر دھوکہ نہ دے رہی ہو۔

لیلےٰ سے کچھ بعید نہ تھا۔ وہ شبانہ کے ایک ایک انداز کو جانتی اور سمجھتی تھی۔ بہن کی نقالی کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ وحید پاشا صبح تک جاگتا رہا۔ شبانہ کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور ہنسنے بولنے کی اداؤں کو توجہ سے پڑھتا رہا۔ پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ دونوں بہنوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ صرف شوخی اور سنجیدگی کا فرق ہے، اور شوخ لیلےٰ کسی وقت سنجیدہ بھی بن سکتی ہے۔

اس نے کہا "شبانہ! میں اکثر سوچتا ہوں کہ لیلےٰ کبھی فریب دینے کے لیے تمہاری جگہ چلی آئے تو میں کس طرح پہچان سکوں گا کہ وہ کون ہے؟"

"شبانہ نے کہا "آپ خواہ مخواہ اس سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسی نہیں ہے کہ اپنی بہن کے سہاگ پر ڈاکہ ڈالے۔ آپ اسے معاف کیوں نہیں کر دیتے؟"

"ایک شرط پر اسے معاف کروں گا اور اسے گھر میں آنے کی بھی اجازت دوں گا کہ پہلے میں تمہیں پہچاننا سیکھ لوں۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی "اچھا یہ میری اہمیت ہے۔ ڈیڑھ برس کی مدت میں آپ نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا ہے۔ جب آپ ہم دونوں کو دیکھ کر الجھ جاتے ہیں تو کم از کم اتنا یاد رکھیں کہ میری طرح سنجیدہ نہیں ہے۔ دور سے دیکھ کر پہچاننے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہمیشہ ننگے سر رہتی ہے۔ میرے سر پر آنچل رہتا ہے۔ قریب آ کر میرے اس ہاتھ کی انگلی کو دیکھیں۔ میں شادی کی انگوٹھی پہنے رہتی ہوں۔ پھر یہ کہ میرے دائیں طرف کا ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔"

وحید پاشا سوچنے لگا۔ شوخی، سنجیدگی میں بدل سکتی ہے وہ ننگے سر والی اپنے سر پر آنچل بھی رکھ سکتی ہے اور جو انگوٹھی شبانہ نے پہنی ہے لیلےٰ اس ڈیزائن کی دوسری انگوٹھی بنوا سکتی ہے اور مجھے دھوکہ دینے کے لیے ایک دانت بھی اکھڑوا سکتی ہے۔

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں شبانہ! میں نے سوچا ہے کہ ہمارے درمیان کوڈ ورڈز ہونے چاہئیں۔ اب میں جو کہتا ہوں اسے یاد رکھو جب میں خواب گاہ کا دروازہ بند کروں یا تم کرو تو ایسے وقت کہنا۔ "آج اتوار کا دن ہے۔" میں جواب میں کہوں گا "خواب گاہ کا دروازہ بند ہو جاتے تو دن نہیں رہتا صرف رات کی رنگینیاں ہوتی ہیں۔" پھر تم آخری بات کہنا "ہر رات رنگین خواب نہیں آتے۔"

شبانہ نے ہنستے ہوئے کہا "آپ تو مجھے جاسوسی کہانی کا کردار بنا رہے ہیں۔ اچھی بات ہے۔ میں آپ کے اطمینان کے لیے

یہ سبق یاد رکھوں گی اور اس پر عمل کروں گی۔"

دوسرے دن شبانہ نے فون پر لیلیٰ کو یہ خوش خبری سنائی کہ وحید پاشا نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اس کے بعد لیلیٰ وہاں آنے جانے لگی۔ اکثر وحید پاشا سے سامنا ہوتا تو وہ سر جھکا کر گزر جاتا۔ حتی الامکان اس سے کترانے کی کوشش کرتا۔ پھر بھی دل بڑا پاپی ہوتا ہے۔ ہمیشہ ممنوعہ شے کے لیے مچلتا ہے۔ وحید نے کئی بار سنجیدگی سے سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ مگر اس کا جواب اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

بہت کم لوگ اس حقیقت پر غور کرتے ہیں کہ گناہ میں کشش کیوں ہوتی ہے؟ اس لیے کہ انسان فطرتاً ضدی اور ہم جو واقع ہوا ہے۔ جہاں جانے سے روکا جاتا ہے، وہاں بضد ہو کر جانا چاہتا ہے کسی سے چھپ چھپ کر ملنے میں مہم جوئی کی حسرت پوری ہوتی ہے اپنوں اور غیروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر محبوبہ سے رازداری نبھانے میں جو مزہ آتا ہے، وہ مزہ بیچاری بیوی سے نہیں ملتا کیونکہ گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔

ایک دن لیلیٰ نے اسے دفتر کے فون پر کال کی۔" ہیلو وحید! اگر مجھے پہچان رہے ہو تو اتنا بتا دو کہ مجھ سے کتراتے کیوں ہو؟"

وحید پاشا نے دل پر جبر کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اس لیے کہ میں ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے آئندہ فون نہ کرنا۔"

اتنا کہہ کر اس نے ریسور رکھ دیا لیلیٰ کی آرزو تھی لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیلیٰ کے سامنے اپنی پوزیشن سے گرنا نہیں چاہتا تھا حالانکہ دل بار بار سمجھاتا تھا کہ ایک بار گد لے ہو تو اب گرنے کے لیے کیا رہ گیا ہے لیکن اخلاقی ضابطوں کا پاس رکھنا پڑتا ہے۔ چپکے سے گناہ ہو جائے تو کوئی بات نہیں مگر چہرے سے گناہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔

شام کو وہ دفتر سے گھر آیا۔ شبانہ اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ اس نے صبح کہہ دیا تھا کہ دوسرے دن واپس آئے گی۔ اس نے لباس تبدیل کر کے ریڈیو آن کیا۔ ملازم چائے رکھ کر چلا گیا۔ اسی وقت شبانہ واپس آگئی۔ اسے دیکھتے ہی وحید پاشا کے دل نے دھڑکتے ہوئے کہا لیلیٰ آگئی، لیلیٰ آگئی۔

پہلے اس نے دور سے دیکھا۔ اس کے سر پر آنچل تھا جب وہ قریب آئی تو اس کی انگلی میں شادی کی انگوٹھی تھی، اور ٹوٹا ہوا دانت اس وقت تک نظر نہ آتا جب تک کہ وہ منہ کھول کر قہقہہ نہ لگاتی۔ وحید پاشا نے پوچھا۔

"تم واپس کیوں آگئیں؟"

وہ کچھ مرجھائی ہوئی سی تھی۔ اس نے کہا۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں نے ابا جان سے کہہ دیا کہ پھر کسی دن آؤں گی۔ مجھے آپ یاد آرہے تھے میں چلی آئی۔"

وحید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آؤ میں تمہارا سر دباتا ہوں آرام آجائے گا۔"

وہ اس کے پاس سے گھوم کر دروازہ بند کرنے کے لیے گیا۔ اسے اس بات کا انتظار تھا کہ شبانہ کوڈ ورڈز ادا کرے گی لیکن ادھر خاموشی رہی۔ وحید پاشا کا دل پھر دھڑکنے لگا۔ اس نے دروازے کو بند کرنے کے بعد پلٹ کر دیکھا۔ وہ سنگھار میز کے پاس کھڑی اپنی پیشانی کو یوں سہلا رہی تھی جیسے واقعی سر میں درد ہو رہا ہو۔ وحید نے خود ہی کوڈ ورڈز کا پہلا حصہ ادا کیا۔

"آج اتوار کا دن ہے۔"

"نہیں تو۔" وہ پلٹ کر بولی۔" آپ کو دن بھی یاد نہیں رہتے۔ آج منگل ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔" تمہیں دیکھ کر دن تو کیا، دنیا کو بھول جاتا ہوں۔ آؤ میرے بازوؤں میں تم بھی دنیا کو بھلا دو۔"

وہ اس کے قریب آیا۔ اب نئی محبت تھی، نئے جذبے تھے وہ ایک ایک کر کے اس کے زیورات اتارنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد وحید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اب تمہارے سر کا درد۔۔۔ ہو گیا ہوگا؟"

وہ ہنستی ہوئی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی۔

"تم فون پر نفرت کرتے ہو اور بند کمرے میں محبت کرتے ہو، بڑے بھولے ہو۔"

وہ بھولا بن گیا۔" ایں۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم کون ہو؟"

"وہی جس سے نفرت بھی کرتے ہو اور محبت بھی۔ میں تمہارے پاس ہوں، تو میرا گلا گھونٹ دو۔"

وہ بستر سے اٹھ کر دور چلا گیا۔ ایسے شریف انسان کو گناہ سے دور ہی جانا چاہیے۔ پھر وہ سخت لہجے میں بولا۔

"لیلیٰ! تم نے یہ دوسری بار مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اگر تم خیریت چاہتی ہو تو فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ آئینے کے پاس اپنے لباس کو اور بالوں کو درست کرتی ہوئی بولی۔

"وحید! محبت اندھی ہوتی ہے۔ میں نے یہاں آتے وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ تمہارا ملازم گھر میں ہوگا۔ اب وہ شبانہ کو بتا دے گا کہ میں یہاں آئی تھی۔ ہو سکے تو رشوت دے کر اس کا منہ بند کر دینا۔"

پھر وہ دروازے کے پاس آکر بولی۔" میں تمہارے لیے زندہ ہوں اور جب تک زندہ رہوں گی تم سے اسی طرح ملنے کے ہتھکنڈے آزماتی رہوں گی۔ مجھے تمہاری اس نفرت بھری

محبت میں بڑا مزہ آتا ہے۔"
یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔
دوسری طرف شبانہ میکے نہیں گئی تھی۔ وحید پاشا کی بہن نادرہ سے ہوسٹل میں ملنے گئی تھی۔ وہاں نادرہ نے اسے دیکھتے ہی کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا۔ پھر روتی ہوئی بولی۔
"بھابی! میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں، یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ مگر آپ نے محبت کے نام پر مجھے اتنا بڑا فریب دیا ہے کہ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"
شبانہ نے حیرانی سے پوچھا۔
"نادرہ! تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے کب تمہیں فریب دیا ہے۔ صاف صاف بتاؤ۔"
"میں کیا بتاؤں۔ مجھے تماشہ بنا کر اب آپ انجان بن رہی ہیں۔"
"میں تمہارے بھائی جان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں تمہیں اپنی بہن سے زیادہ چاہتی ہوں۔"
بہن کا حوالہ دیتے وقت وہ چونک کر سوچنے لگی۔ کہیں لیلٰے نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی ہے۔ نادرہ کو بھی اچانک خیال آیا کہ جب بھابی اتنی بڑی قسم کھا رہی ہیں تو پھر بھابی کی بہن نے اسے فریب دیا ہے۔ وہ کہنے لگی۔
"کل شام آپ ہوسٹل سے مجھے اپنی ایک سہیلی کے ہاں لے گئی تھیں۔ وہاں کھانے کی دعوت تھی۔ کھانے کے بعد اچانک میرا سر گھومنے لگا۔ میں بار بار قہقہے لگا رہی تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں؟ اور میرے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے؟ مگر میں اپنے آپ پر قابو نہیں پا رہی تھی۔ دوسری صبح ہوش میں آئی تو میرا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ میں غصے میں چیخنے لگی۔ آپ وہاں نہیں تھیں۔ آپ کی سہیلی نے میری طرف کچھ ایسی تصویریں بڑھائیں جنہیں دیکھتے ہی میری زبان بند ہو گئی۔ اس عورت نے کہا۔
"تمہیں اپنی عزت پیاری ہے تو شور نہ مچاؤ۔ چپ چاپ ہوسٹل واپس چلی جاؤ۔ ہم تمہارے ایس پی بھائی سے نمٹ لیں گے۔"
نادرہ یہ کہہ کر رونے لگی۔ شبانہ غصے سے تلملا رہی تھی۔ اس نے نادرہ کو سینے سے لگا کر تسلی دی۔ نادرہ نے کہا۔
"بھابی! اب میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ نے فریب نہیں دیا ہے۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ امتحان کے بعد آپ جانتی ہیں کہ میری شادی ہونے والی ہے۔ اگر وہ تصویریں میرے سسرال والوں تک۔۔۔۔۔"
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شبانہ نے مٹھیاں بھینچ

ملزم کے خلاف ناقابلِ تردید گواہیاں سننے کے بعد ممبرانِ جیوری کے متفقہ فیصلے پر جج نے ملزم کو بجلی کی کرسی پر بٹھائے جانے کی سزا سنائی۔
"لیکن مسٹر جنونی قاتل!" جج نے کہا "اس سے قبل کہ آج کی عدالتی کارروائی ختم کی جائے۔ میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ آخری لمحے تک انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ کیا اپنی آخری خواہش کے طور پر تم یہ بتاؤ گے کہ تمہیں بجلی کا اے سی کرنٹ زیادہ پسند ہے یا ڈی سی کرنٹ؟"

کر کہا۔
"میں تمہاری زندگی برباد ہونے نہیں دوں گی لیلٰے سے وہ تصویریں حاصل کر کے ہی دم لوں گی۔ تم میرا انتظار کرو۔ میں وہ تصویریں تمہارے سامنے لا کر جلا ڈالوں گی۔"
یہ کہہ کر وہ سیدھی لیلٰے کی کاٹیج میں گئی۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے اور اس وقت لیلٰے وحید پاشا کی آغوش گرم کر رہی تھی۔ بے چاری شبانہ کیا جانتی تھی کہ وہ کیا چکر چلا رہی ہے رات کے گیارہ بجے لیلٰے واپس آئی۔ اس کے ساتھ اس کی فرم کا منیجر اور ایک لیڈی ہیئر ڈریسر تھی۔ وہ شبانہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ پھر مسکرا کر بولی۔
"تم غصے میں نظر آ رہی ہو۔ شاید نادرہ سے ملاقات ہو گئی ہے۔"
"ہاں میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ بیڈ روم میں چلو۔"
لیلٰے نے صوفے پر بیٹھ کر کہا۔
"یہ منیجر اور یہ لیڈی ہیئر ڈریسر میرے ساتھی ہیں۔ منشیات کے کاروبار سے انہیں بھی منافع ملتا ہے۔ یہ ہیئر ڈریسر میڈم روبی ہیں روبی نے کل رات کھانے کے بعد سویٹ ڈش میں بھنگ ملا کر نادرہ کو کھلایا تھا۔ تم شاید بھنگ کی تاثیر نہ جانتی ہو، اس لیے میں بتا دوں کہ یہ عجیب مضحکہ خیز نشہ ہے۔ اسے استعمال کرنے کے دوران اگر کوئی سنجیدہ ہو گا تو نشہ اترنے تک سنجیدہ ہی رہے گا۔ اگر کسی کو یہ کھلاتے کے دوران ہنسایا جائے تو وہ ہنستا ہی رہے گا۔ جب نادرہ فرنی کھا رہی تھی تو میں لطیفے سنا کر اسے ہنسا رہی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جب اس کی شرمناک تصویریں اتاری جا رہی تھیں، اس وقت بھی وہ نشے کی حالت میں قہقہے لگا رہی تھی۔ اب ان تصویروں کو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ نادرہ اپنی خوشی سے کسی غیر مرد کی آغوش میں گئی تھی۔"
شبانہ نے غصے سے چیخ کر پوچھا۔
"تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آ رہی

ہے؟"

"تم اس طرح چیخ کر بات کرو گی تو اپنی ہی زبان سے بدنامی کو گھر سے باہر پہنچاؤ گی۔"

"لیلے! میں غصے سے پاگل ہو جاؤں گی۔ وہ تصویریں مجھے دے دو۔ اگر وحید کو پتہ چلے گا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"تو پھر اپنے شوہر کو جا کر کہہ دو کہ وہ مجھے مار ڈالے۔ مگر یہ یاد رکھے کہ میری موت کے بعد وہ تصویریں نادرہ کی سسرال پہنچ جائیں گی۔"

"ایسا نہ کہو لیلے! وحید ذلت برداشت نہیں کر سکیں گے وہ نادرہ کو شوٹ کر دیں گے خود پھانسی پر چڑھ جائیں گے میرا بسا بسایا گھر تباہ ہو جائے گا۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی "یہ ہوئی شوہر پرستی والی باتیں۔ اگر اپنے شوہر، اپنی نند اور اپنے سسرال والوں کی عزت رکھنا چاہتی ہو تو اطمینان سے بیٹھ کر سودا کرو۔"

"کیسا سودا؟"

"سنو شبانہ! میرے بوڑھے شوہر کے مرنے کے بعد ایل ایس ڈی کا اسٹاک جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ ہم جب بھی اس کا سودا کرنا چاہتے ہیں، پولیس والے راستے کی دیوار بن جاتے ہیں۔ آخر میں نے سوچا کہ ایس پی وحید پاشا اپنے ہی گھر کا بندہ ہے، کیوں نہ اسے اپنی زلفوں کے جال میں الجھایا جائے۔ اگر وہ قابو میں آجائے گا تو میں آسانی سے اس کے سائے میں اس اسٹاک کو فروخت کر سکوں گی۔

پھر میں نے اسے پھانسنے کی کوشش کی۔ وہ مجھے شبانہ سمجھ کر دھوکہ کھاتا ہے لیکن لیلے کے روپ میں دیکھ کر آج بھی نفرت کرتا ہے۔ آخر یہی تدبیر سمجھ میں آئی کہ نادرہ کو اس کا ذریعہ بناؤں اور اب تم سمجھ سکتی ہو کہ ان تصویروں کے ذریعے میں کس طرح وحید کو بلیک میل کر سکتی ہوں۔"

"نہیں لیلے! وہ تصویریں وحید کو کبھی نہ دکھانا۔ ایک غیرت مند بھائی شرم سے مر جائے گا۔"

"میں لیلے بن کر نہیں، شبانہ بن کر تمہارے شوہر کو بدنامی سے بچا سکتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" شبانہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں شبانہ بن کر تمہارے شوہر کے پاس رہوں گی۔ جب ایل ایس ڈی کے اسٹاک کا سودا ہو جائے گا۔ تو میں وہ تصویریں اور تمہارا شوہر تمہیں واپس کر دوں گی۔"

شبانہ غصے سے تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس بے غیرتی کا جواب کیا دے؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ رونے لگی۔

"لیلے! کچھ تو شرم کرو۔ یہ کیسی بے شرمی کی بات ہے کہ تم میرے شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہو۔"

"یہاں بے شرمی کی نہیں کاروبار کی بات ہو رہی ہے میں اس اسٹاک سے آٹھ لاکھ کا منافع حاصل کرنا چاہتی ہوں اور تم منافع کے طور پر اپنے شوہر کے خاندان کو بدنامی سے بچا سکتی ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی عورت نے اپنا شوہر دوسری عورت کے حوالے کیا ہو۔ تم وہ تصویریں دے دو، میری جان لے لو مگر ایسی شرط نہ لگاؤ۔"

"تمہاری جان لینا نہایت آسان ہے۔ پھر تو ہمیشہ کے لیے میں شبانہ بن کر وحید کو اپنا لوں گی۔ لیکن سیدھی انگلی سے گھی نکل رہا ہو تو میں خون خرابہ پسند نہیں کرتی۔ تم جلدی فیصلہ کرو۔ انکار کرنا ہے تو انکار کر دو۔ میں صبح وہ تصویریں وحید کے پاس پہنچا دوں گی۔ اگر اس نے بھی دوستی نہیں کی اور مجھے نقصان پہنچایا تو میرے ساتھی وہ تصویریں نادرہ کی سسرال پہنچا دیں گے۔"

شبانہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اگر وہ انکار کرتی تو وحید پاشا جیسے معزز آفیسر کی عزت دو کوڑی کی بھی نہ رہتی۔ نادرہ ایسی بدنام ہوتی کہ پھر کسی شریف گھرانے سے اس کا رشتہ نہ آتا۔ اس نے ڈوبتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"اگر میں تمہاری بات مان لوں تو کیا تم وہ تصویریں مجھے واپس کر دو گی؟"

"ہاں مگر ابھی نہیں، میں تم سے پہلے کہہ چکی ہوں جب میرا کام ہو جائے گا تو میں وہ تصویریں اور تمہارا شوہر تمہیں واپس کر دوں گی۔ اگر تمہارے دماغ کے کسی گوشے میں یہ بات ہے کہ وحید پاشا مجھے قبول نہیں کرے گا تو میں تمہاری اطلاع کے لیے کہہ دوں کہ میں شبانہ بن کر دوبارہ اس کی تنہائی میں جا چکی ہوں۔"

شبانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بتا رہی تھی کہ وہ کس طرح وحید پاشا کے ساتھ فیض آباد گئی تھی اور آج شام کو بھی اس کی کوٹھی میں جا کر ساڑھے نو بجے تک وحید کے ساتھ وقت گزار کر ابھی واپس آرہی ہے۔ شبانہ کو یقین نہیں آرہا تھا۔ لیلیٰ نے کہا۔

"وہ ٹیلیفون تمہارے پاس رکھا ہوا ہے۔ ریسیور اٹھاؤ اور وحید سے پوچھ لو۔"

شبانہ نے ریسیور اٹھا کر اپنی کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد وحید پاشا سے رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"ہیلو وحید! میں شبانہ بول رہی ہوں۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ تم لیلیٰ نہیں ہو؟"

"تو پھر لیلیٰ ہی سمجھو اور دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ میرے ساتھ وقت کیسے گزرا؟"

"ہوں تو تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔ اگر شبانہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں تمہارے ساتھ دو بار... یعنی کہ وقت گزار چکا ہوں تو ہماری ازدواجی زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

شبانہ کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ وہ آنسو بھرے لہجے میں بولی۔

"وحید! میں لیلیٰ نہیں شبانہ ہوں۔ آپ ازدواجی زندگی کو تلخ نہیں بنانا چاہتے۔ اگر آپ دیانتدار ہیں تو بتائیں کہ کوڈ ورڈ ادا کیے بغیر لیلیٰ میری جگہ کیسے پہنچ گئی؟"

"ایں؟" وحید پاشا بوکھلا گیا۔ "تم... تم شبانہ ہو، وہ... دیکھو۔ بات یہ ہے کہ لیلیٰ جب آئی تو میں نے سمجھا کہ تم ہو۔ مجھے بالکل یاد نہ رہا کہ ہمارے درمیان کوڈ ورڈز طے ہو چکے ہیں۔ اس غلطی ہو گئی۔ تم کہاں سے بول رہی ہو۔ تمہارے میکے میں فون نہیں ہے۔ کیا... کیا لیلیٰ تم سے مل چکی ہے؟ اوہ جہنم میں گئی لیلیٰ! میں کیا کہہ رہا تھا۔ ہاں یاد آیا۔ تم یہاں آ جاؤ، میں تمہاری غلط فہمی دور کر دوں گا۔"

"آپ میری غلط فہمی کیا دور کریں گے، اپنی گھبراہٹ دور کریں..."

وہ ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ کر رونے لگی۔ جسے وہ اپنی جان سے زیادہ چاہتی تھی وہ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا چکا تھا۔ اس کے ساتھ فیض آباد جانے کا پروگرام بنا کر لیلیٰ کے ساتھ وہاں وقت گزار آیا اور اپنی شریکِ حیات کو اس واقعے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔

لیلیٰ نے کہا۔ "آنسو بہانے کے لیے ابھی زندگی پڑی ہے۔ فیصلہ کرنے کے لیے وقت بہت کم ہے۔ بولو شوہر چاہتی ہو یا اس کی عزت؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

"شوہر کو تم پہلے ہی چھین چکی ہو۔ اب چھیننے کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔"

"شاباش۔" لیلیٰ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی۔ پھر قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔ "اب مجھے بتاؤ کہ میاں بیوی کے درمیان کوڈ ورڈز کیا ہیں؟ اس کے علاوہ شوہر کے ساتھ اور بھی خاص باتیں، خاص ادائیں اور خاص طرح کی خدمت گزاریاں وغیرہ جو کچھ بھی ہیں مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"

وہ آنسو پونچھتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔

"بیڈروم میں چلو۔ میں تنہائی میں سب کچھ بتا دوں گی مگر یاد رکھو اگر تم نادرہ کی تصویریں کسی کو دکھاؤ گی اور میری ان قربانیوں کی قدر کرنے کے بجائے وحید کو نقصان پہنچانا چاہو گی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

وہ دونوں بیڈروم میں چلی گئیں۔

اس رات کے بعد لیلیٰ کا نچ اور شبانہ کا نچ وہی رہے صرف وہاں کی رہنے والیاں بدل گئیں۔ اِدھر والی اُدھر چلی گئی اور اُدھر والی اِدھر آ گئی۔ لیلیٰ بڑی زبردست نقال تھی۔ وہ بڑی کامیابی سے شبانہ کا رول ادا کرنے لگی۔ وہاں اسے وحید سے نہیں صرف آیا امی حلیمہ سے خطرہ تھا۔ اس بوڑھی نے شبانہ کو اپنا دودھ پلایا تھا اور اس کے بچپن سے اب تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ اس لیے لیلیٰ نے خاص طور سے حلیمہ کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں۔ شبانہ کو بتانا پڑا کہ وہ حلیمہ کو ملازمہ نہیں، ماں سمجھ کر اس کا خاص خیال رکھتی ہے۔ صبح اٹھ کر آیا امی کو سلام کرتی ہے۔ جس روز وحید کھانے پر موجود نہیں ہوتا اس روز وہ آیا امی کے ساتھ بیٹھ کر کھاتی ہے۔ اس پر اتنا اعتماد ہے کہ الماریوں کی اور سیف کی چابیاں اسی بوڑھی کے پاس رہتی ہیں۔

لیلیٰ اس رات شبانہ سے کرید کرید کر حلیمہ کے متعلق سوالات کرتی رہی اور جوابات لکھ کر یاد کرتی رہی۔ دوسرے دن وہ شبانہ کا رول ادا کرنے وحید پاشا کے ہاں گئی تو حلیمہ بھی دھوکہ کھا گئی۔ اسے اپنی شبانہ سمجھ لیا۔ لیلیٰ اب سر پہ آنچل رکھتی تھی۔ شوخیاں بھلا کر سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔ وحید کو پہلی بار فیض آباد میں دھوکہ دینے سے پہلے ہی اپنا ایک دانت نکلوا لیا تھا تاکہ پوری طرح شبانہ ہی نظر آئے۔

رات کو سوتے وقت وہ اکثر وحید پاشا سے دفتری راز معلوم کرنے کے لیے طرح طرح کے سوالات کرتی تھی۔ یہ عادت شبانہ کو بھی تھی۔ وہ بے چاری راز نہیں معلوم کرنا چاہتی تھی صرف معصومیت سے حیران ہو کر پوچھتی تھی۔ "آپ خطرناک مجرموں تک کیسے پہنچ جاتے ہیں؟"

کچھ اسی طرح کے سوالات لیلیٰ بھی کرتی تھی۔ وحید اسے طریقۂ کار بتایا کرتا تھا۔ اکثر پولیس والے اپنی عورتوں سے دفتر کے راز نہیں چھپاتے کیونکہ محکمے میں ان کی کارکردگی کی تعریف ہو یا نہ ہو، گھر کی عورت مزید بڑھ چڑھ کر تعریفیں کرتی ہے۔ لیلیٰ بھی تعریفوں کے پُل باندھتی تھی۔ معلومات حاصل کرتی تھی لیکن ان معلومات سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ایل ایس ڈی اتنی مہنگی چیز ہے کہ ملک کے گاہک تو مل

جاتے تھے مگر تھوک میں وہ مال خریدنے والا کوئی معقول گاہک نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے خفیہ پبلسٹی کی ضرورت تھی اور پبلسٹی کا یہ کام بڑی احتیاط سے کیا جا رہا تھا۔

دوسری طرف شبانہ بحالت مجبوری لیلٰے کا رول ادا کر رہی تھی۔ اس نے کاٹج کے پرانے ملازم کو نکال کر نیا ملازم رکھا تھا۔ وہ ملازم جب رات کو سونے کے لیے سرونٹ کوارٹر میں جاتا تو مالکن کی خواب گاہ کی کھڑکی سے المیہ گانوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ پھر وہ صبح اٹھ کر کوٹھی میں جاتا تو خوابگاہ میں مالکن کے سرہانے وحید پاشا کی تصویر نظر آتی اور تکیہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

تب وہ تصویر کو میز کی دراز میں رکھ دیتا۔ کمروں کی صفائی کرنے کے دوران کال بیل کی آواز سنائی دیتی۔ بیرونی دروازہ کھولنے کے بعد مالکن کے والد قیصر مرزا نظر آتے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ قیصر مرزا خواب گاہ میں جا کر بیٹی کو نیند سے جگاتا تھا جب وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کی میز پر آتی تو باپ ایک ہی موضوع چھیڑتے ہوئے کہتا۔

"بیٹے! تم کب تک یونہی زندگی گزارتی رہو گی۔ تم نے ایک بوڑھے سے شادی کی۔ ہم نے مخالفت کی۔ اب وہ مالکی گزر چکا ہے۔ اب تمہیں کسی اچھے لڑکے سے شادی کرنی چاہیے اکیلی عورت کو دنیا بدنام کرتی ہے۔"

لیلٰے نے شبانہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ کس طرح باپ کی باتوں کا جواب دیتی ہے۔ شبانہ اسی انداز میں باتیں کرتی تھی۔ دو ماہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ فون کے ذریعے لیلٰے سے رابطہ قائم کرتی اور اس سے پوچھتی تھی کہ آخر وہ کب تک اپنے اسٹاک کا سودا کرے گی کب نادرہ کی تصویریں واپس کرے گی اور کب اس کے شوہر کو چھوڑے گی؟

لیلٰے تسلیاں دیتی رہتی تھی کہ وہ بہت جلد اس کے شوہر کو چھوڑ کر اپنی جگہ واپس آجائے گی لیکن جیسا کہ وہ فیصل آباد کے ڈاک بنگلے میں پہلی رات ہی دل ہار چکی تھی، اب مزید ہارتی چلی جا رہی تھی۔ سوچتی تھی کہ آٹھ لاکھ کا مال فروخت ہو جائے تو منشیات کے دھندے سے توبہ کر کے ہمیشہ وحید کے پاس رہ جائے گی اور اب اس کے پاس رہ جانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنے راستے سے شبانہ کو ہمیشہ کے لیے ہٹا دے۔

یہ بات اس کے دماغ میں پک رہی تھی کہ شبانہ مر جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے وحید پاشا کی شریک حیات بن جائے گی۔ لیکن وہ وحید پاشا کے دل کی بات نہیں جانتی تھی۔ یہ بھول گئی تھی کہ اس نے خود ہی وحید کو ایک محبوبہ کا [illegible] بنا دیا ہے

بلڈنگ میں آگ لگی۔ ایک فائرمین شعلوں میں گھری ہوئی لڑکی کو باہر لے کر آیا۔

لڑکی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "مجھے بچانے کے لئے تمہیں بڑی جدوجہد کرنا پڑی ہوگی؟"

"بے شک!" فائرمین نے جواب دیا "تم تک پہنچنے کے لئے مجھے اپنے ان دو ساتھیوں سے جنگ کرنا پڑی جو مجھ سے پہلے تمہیں بچانا چاہتے تھے۔"

وہ اکثر لیلٰے کے متعلق سوچتا رہتا تھا مگر اپنے پاس رہنے والی لیلٰے کو شبانہ سمجھ کر اس کا ذکر نہیں کرتا تھا کیونکہ شبانہ پر یہ بھید کھل گیا تھا کہ وہ چوری چھپے لیلٰے سے مل چکا ہے۔

شبانہ بن جانے والی لیلٰے یہ سمجھ رہی تھی کہ وحید لیلٰے سے نفرت کرتا ہے۔ خود اس کی طرف نہیں بڑھتا اس لئے اب اپنی بیوی کو لیلٰے سمجھ کر اس کی طرف کبھی نہیں جائے گا لیکن دو ماہ بعد وحید کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ اس نے ایک روز دفتر سے لیلٰے کا ٹیج میں فون کیا۔

"ہیلو لیلٰے! کیا تم مجھے آواز سے پہچان رہی ہو؟"

شبانہ نے ریسیور پر اپنے وحید کی آواز سنی تو دل کی دھڑکنیں پاگل ہو گئیں۔ پھر عقل نے سمجھایا کہ اسے ہوشمندی سے کام لینا چاہیے۔ اگر وہ شبانہ بن کر بات کرے گی تو لیلٰے یتامی کے بارود سے وحید کے سارے خاندان کو ایک دھماکے سے اڑا دے گی وہ انجان بن کر بولی۔

"میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ آپ نام بتائیں۔"

"لیلٰے! جھوٹ نہ بولو۔ تم نے مجھے پہچان لیا ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ شبانہ پر ہماری ملاقات کا راز کھل گیا ہے۔ اس نے تمہیں باتیں سنائی ہوں گی اس لیے تم مجھ سے ناراض ہو گئی ہو۔"

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ درحقیقت میں قابل نفرت ہوں اور آپ ایک شریف آدمی ہیں۔ آپ اپنی بیوی کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔"

"تم جو کہو گی میں مان لوں گا، لیکن ایک بار مجھ سے ملاقات کر لو۔"

"میں نہیں مل سکتی۔"

"تم ضرور ملو گی۔ آج شام کو سات بجے میں اسی شہر کے ڈاک بنگلے میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ شبانہ کے سینے میں دل ایسے پھڑپھڑا رہا تھا جیسے پنجرے میں پنچھی پھڑپھڑاتا ہے۔ وہ ابتک تصویر سے جی بہلا رہی تھی۔ خود روتی تھی، خود تسلی دیتی تھی۔ بڑے صبر سے کام لے رہی تھی لیکن [illegible] صبر کا دامن ہاتھ سے

چھوٹ گیا۔ وہ سات بجے ڈاک بنگلے میں پہنچ گئی۔

وحید ایک کمرے میں کرسی پر بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ بھرا ہوا ایش ٹرے بتا رہا تھا کہ وہ بہت پہلے سے آ کر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ محبوبہ میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ ذمے دار افسران بھی چھٹی لے کر انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر قریب آ کر بولا۔

"لیلے! میں تم سے نفرت بھی کرتا تھا اور محبت بھی۔ دو ماہ تک تمہاری خبر نہ ملی تو مجھے پتہ چلا کہ میں تم سے نفرت نہیں کرتا ہوں۔ تم میری اہم ضرورت بن گئی ہو۔"

"وحید! مجھے غور سے دیکھو اور بتاؤ کہ مجھ میں اور شبانہ میں کیا فرق ہے؟ اور اگر کوئی فرق نہیں ہے تو پھر مجھ میں ایسی کیا بات ہے کہ شبانہ کو فریب دے کر میرے پاس آتے ہو؟"

وحید نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے بہت سوچا ہے۔ تب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ ہم ہمیشہ ایک ہی ٹائم ٹیبل کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتے۔ ایک جیسی رات آئے تو سو جاؤ۔ ایک جیسی صبح آئے تو اٹھ کر اپنے کام دھندے سے لگ جاؤ۔ انسان زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر تبدیلی چاہتا ہے۔ بے شک رات ایک جیسی ہوتی ہے مگر اسے گزارنے کے انداز مختلف ہو سکتے ہیں۔ تم دونوں ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہو؟ یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ بیوی ہے اور تم محبوبہ ہو۔ دنیا والوں سے چھپ چھپ کر محبوبہ سے ملنے میں ایسا لطف حاصل ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"اگر بیویاں بھی یکسانیت سے اکتا کر دنیا والوں سے چھپ چھپ کر اپنے محبوب سے ملتی ہیں تو پھر تم جیسے مردوں کے نظریات کیوں بدل جاتے ہیں۔ تم انہیں بدچلن کیوں کہتے ہو؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آج تو تم باغیانہ قسم کی باتیں کر رہی ہو۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس طرح ملنا جائز ہے۔ مرد ہو یا عورت یہ سب کے لیے گناہ ہے لیکن کیا کیا جائے۔ گناہ اتنا حسین اور پرکشش ہوتا ہے کہ اپنی طرف کھینچ ہی لیتا ہے۔"

اس نے دروازہ بند کر کے شبانہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

یہ انسان بھی کیا چیز ہے۔ محبوبہ گھر میں آ کر بیوی بن جاتی تو اکتا جاتا ہے۔ اور بیوی گھر سے باہر آ کر محبوبہ بن جائے تو خوشی سے گلے لگا لیتا ہے۔ وحید کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس بیوی کی یکسانیت سے بیزار ہو کر محبوبہ کے پاس آیا ہے وہ وہی بیوی ہے۔ صرف اس پر محبوبہ کا لیبل لگ گیا ہے۔

عام بیویوں کی طرح اب لیلے اس بات سے بے خبر تھی کہ وحید پاشا شبانہ کو محبوبہ سمجھ کر اس سے مل رہا ہے۔ وہ اپنے طور پر شبانہ کو راستے سے ہٹانے کی فکر میں تھی اور حلیمہ کو اپنے اعتماد میں لے رہی تھی۔ اس سے اکثر پوچھتی تھی۔

"آپا امی! میں کیا کروں۔ لیلے میرے سہاگ کی دشمن بن رہی ہے۔ میں اکثر دیکھتی ہوں کہ وحید کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔ اسی کمبخت کو یاد کرتے رہتے ہیں۔"

حلیمہ نے کہا۔ "بیٹی! وہ تمہاری بہن نہیں دشمن ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔"

"سچ آپا امی۔ میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ وہ مر جاتی تو میرے سر سے بوجھ اتر جاتا۔"

"تمہارے سوچنے سے وہ نہیں مرے گی۔ تم پڑھی لکھی ہو۔ اپنے میاں کے دفتری فائل دیکھ کر مجرموں کے نام اور پتے معلوم کر سکتی ہو۔ کسی کرائے کے قاتل کو کچھ دے دلا کر اس حرافہ کو ٹھکانے لگا سکتی ہو۔"

وہ خوش ہو کر حلیمہ سے لپٹ گئی۔ "آپا امی! آپ نے بہت اچھی تدبیر بتائی ہے۔ میں سوچوں گی کہ اس پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔"

اس رات وحید پاشا نے اسے بتایا کہ وہ دوسرے دن اسکاٹ لینڈ جا رہا ہے۔ لیلے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔

"آپ اچانک اسکاٹ لینڈ کیوں جا رہے ہیں؟"

"کوئی بہت ہی اہم کام ہے۔ کل ڈی آئی جی سے ملاقات ہو گی تو پتہ چلے گا۔ تم کل دو بجے میرا سامان لے کر ایئرپورٹ آ جانا۔ مجھے گھر آنے کا وقت نہیں ملے گا۔"

لیلے نے وہ رات بڑی بے چینی سے گزاری۔ ایل ایس ڈی لندن سے اسمگل ہو کر آئی تھی اور وحید پاشا اسی طرف جا رہا تھا۔ پھر اسے نیند کیسے آ جاتی۔ دوسرے دن دو بجے وہ ایئرپورٹ پہنچی۔ وحید پاشا سے کچھ پوچھنے کے لیے پہلے پیار بھری باتیں کرنی پڑیں۔ پھر پہلے دار باتوں میں الجھا کر اس نے جانے کی وجہ پوچھی تو وحید نے کہا۔

"لندن کے کسی اسمگلر نے یہاں کسی کے پاس ایل ایس ڈی کا کافی ذخیرہ بھیجا ہے۔ اب میں اسکاٹ لینڈ کے انٹیلیجنس والوں سے معلومات حاصل کروں گا۔ وہ لوگ مجرموں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اگر وہ اسمگلر ان کی نظروں میں ہو گا تو وہ یہ معلوم کر لیں گے کہ اس نے ہمارے ملک کے کس آدمی کے پاس مال بھیجا ہے۔"

لیلے کے ہوش اڑ گئے۔ وہ مال اس کے بوڑھے مرحوم

شوہر کے پاس آیا تھا۔ اگر لیلے کو پچھلی رات یہ معلوم ہو جاتا کہ وحید اس مقصد کے تحت جا رہا ہے تو وہ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرتی۔ یہ بھی غنیمت ہی تھا کہ وہ بیوی بن کر وقت سے پہلے آنے والے خطرے کو سمجھ گئی تھی۔ وحید کے روانہ ہونے کے بعد وہ سیدھی اپنی دکان میں پہنچی۔ پرائیویٹ روم میں آ کر اس نے منیجر اور میڈم روبی کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ دو دن کے اندر ایل ایس ڈی کے اسٹاک کو کسی بھی قیمت پر فروخت کر دو۔ خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔

منیجر نے کہا ”فی الحال ہماری نظروں میں جتنے گاہک ہیں ہم ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ وہ اپنی اپنی بولی دیں اور نقد رقم لے کر کل شام کو پرنس کلب پہنچ جائیں اسی جگہ مال کی ڈیلیوری ہوگی اور وہ تمام مال موجودہ لیلے کی کار کی ڈگی میں رکھا رہے گا۔“

ایک مکمل منصوبہ بنانے کے بعد لیلے دوسرے دن شبانہ کے پاس آ کر بولی۔

”اگر آج تم میری تھوڑی سی مدد کرو تو ایل ایس ڈی کا اسٹاک فروخت ہو جائے گا۔ میں آج ہی رات نادرہ کی تمام تصویریں تمہیں دے دوں گی۔“

”میں تمہاری مدد کروں گی۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟“

”تم آج شام کو اپنی کار میں یعنی کہ میری کار تو اب تمہاری ہی کار ہے۔ اس کار میں پرنس کلب جاؤ۔ بالکونی کی میز پر میرا منیجر ایک شخص کے ساتھ بیٹھا ہوگا۔ تم ان کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی دیر تک تاش کھیلتی رہو۔ بس اتنا ہی کام ہے۔“

”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میرے تاش کھیلنے سے تمہارا کیا بھلا ہوگا؟“

”تم نہیں سمجھو گی۔ یہ سب پولیس والوں کو چکر دینے کے ہتھکنڈے ہیں۔“

”آخر کچھ تو سمجھاؤ۔“

”اوہو۔ اچھا سنو۔ میں پولیس والوں کی نظروں میں مشکوک ہوں۔ تم کلب میں بیٹھی تاش کھیلتی رہو گی تو وہ تمہیں لیلے سمجھ کر تم پر نظر رکھیں گے۔ میں اسی کلب کے پارکنگ ایریئے میں اطمینان سے مال کا سودا کرتی رہوں گی۔“

”کہیں میں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس جاؤں گی؟“

”کیسی بات کرتی ہو۔ نہ تمہارے پاس مال ہوگا نہ تم مال کا سودا کسی سے کرو گی۔ پھر کس کی مجال ہے کہ تمہیں کسی طرح کا الزام دے۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ بس میرا اتنا سا کام کر دو۔“

شبانہ راضی ہو گئی کیونکہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں۔

نادرہ کی تصویریں اور اس کا شوہر اسے واپس ملنے والا تھا مگر لیلے کو یہ نہیں معلوم تھا کہ پرنس کلب کی فون کالیں ٹیپ کی جاتی ہیں۔ اس کے منیجر کو آخری وقت یاد آیا کہ ایک اور رئیس اعظم ہے جو ایل ایس ڈی کی اونچی بولی دے سکتا ہے۔ یہ یاد آتے ہی اس نے کلب کے فون کا ریسیور اٹھا کر اس رئیس اعظم کو کال کیا۔ پھر اس کی باتیں انٹیلیجنس والوں تک پہنچ گئیں۔

شبانہ ان باتوں سے بے خبر بالکونی والی میز پر بیٹھی منیجر وغیرہ کے ساتھ رمی کھیل رہی تھی۔ جب ایک جاسوس نے اسے پارکنگ ایریئے میں طلب کیا تو وہ گھبرا گئی کہ کسی مصیبت میں پھنسنے والی ہے۔ پھر بھی اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اپنے پرس سے چابی نکالی۔ کار کی ڈگی کھول کر دکھائی اور جاسوس سے کہا۔

”میری کار کی ڈگی پہلے بھی خالی تھی۔ اب بھی خالی ہے پھر یہ کہ چابی میرے پاس تھی۔ میں نہیں مانتی کہ کسی نے یہ خالی ڈگی کھولی ہوگی۔ آپ نے کار پہچاننے میں غلطی کی ہے۔“

جاسوس اسے انٹیلیجنس کے دفتر لے گیا۔ وہاں اس نے فون کال کی ریکارڈنگ اسے سنائی۔ شبانہ نے ریکارڈ کی ہوئی منیجر کی آواز پہچان لی۔ وہ ایل ایس ڈی کے سودے کے لیے کسی کو بلا رہا تھا اور اسے سمجھا رہا تھا کہ کوڈ ورڈز میں کار نمبر کے تھری لوون زیرو دن کا سودا ہوگا۔ شبانہ نے جاسوس سے کہا۔

”بے شک اس فون کال میں میری کار کا نمبر بتایا گیا ہے لیکن میں نہیں جانتی کہ یہ کون لوگ ہیں اور میرے خلاف کس قسم کی سازش کر رہے ہیں۔“

انٹیلیجنس والے طرح طرح کے سوالات کر کے اسے پریشان کر سکتے تھے لیکن یہ الزام ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بڑی مشکلوں سے جان چھڑا کر لیلے کے پاس آئی اور غصے میں بولی۔

”تم نے میرے ساتھ فراڈ کیوں کیا۔ ابھی میں جس کوٹھی میں رہتی ہوں وہ تمہاری ہے۔ جو کار استعمال کرتی ہوں وہ بھی تمہاری ہے۔ اس کی دوسری چابی یقیناً تمہارے پاس ہے۔ تم نے اس کی ڈگی میں ایل ایس ڈی کا اسٹاک رکھا تھا اور اسی کار کو کوڈ ورڈز کے طور پر استعمال کر رہی تھیں۔ یعنی میرے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہی تھیں۔ اسی لیے انٹیلیجنس والے مجھے پکڑ کر لے گئے تھے۔“

لیلے ہنسنے لگی۔ شبانہ نے اپنا منہ کھول کر پلاسٹک کا مصنوعی دانت نکالا۔ پھر اس کے آگے رکھتی ہوئی بولی۔

”تمہاری جیسی ہیرا پھیری کرنے والی عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ تم نے شبانہ بننے کے لیے اپنا ایک دانت نکلوا دیا اور

مجھے لیلیٰ بننے کے لیے پورے بتیس دانت بنانے رکھنے کے لیے
یہ دانت لگانے رکھنا پڑا۔ بس بہت ہو چکا۔ اب تو تمہارا کام
بھی ہو چکا ہے۔ وہ تصویریں واپس کرو اور میرے گھر سے جاؤ۔"
وہ بدستور ہنستی ہوئی بولی۔
"شبانہ! تم نے واقعی میرا بڑا ساتھ دیا۔ میں نے جلدی میں
آٹھ لاکھ کا مال ساڑھے چار لاکھ میں فروخت کر دیا۔ کل صبح میں اس
رقم کو کہیں حفاظت سے رکھوں گی۔ اس کے بعد کل رات کو تمہارے
پاس آؤں گی۔ تمہاری اپنی بہن بن کو تمہارے حقوق واپس کروں
گی۔ مجھے امید ہے کل تم میری دعوت کا اہتمام کرو گی۔"
"تم نے آج تصویریں واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اب
کل پر بات ٹال رہی ہو۔ آخر تم مجھے اس طرح پریشان کیوں
کر رہی ہو؟"
"صرف ایک ہی رات کی بات ہے شبانہ! کل رات میں
تمہارے ہاں دعوت پر آؤں گی۔ ہم دونوں بہنیں ساتھ بیٹھ کر
کھائیں گی۔ تمہیں سویٹ ڈش پسند ہے۔ میں بھی کل کھانے کے
بعد میٹھا کھاؤں گی۔ اس کے بعد میں تمام تصویریں نگیٹو کے ساتھ
واپس کروں گی۔ پھر تم شبانہ بن کر یہاں واپس چلی آنا۔"
شبانہ کو مجبوراً اس کی بات ماننا پڑی۔ وہ مصنوعی دانت
اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔ دوسری صبح لیلیٰ نے حلیمہ سے کہا۔
"آپا امی! میں کل ساری رات نہ سو سکی۔"
"ہائے بیٹی! مجھے جگا لیا ہوتا۔ یہ موئی لیلیٰ جب تک زندہ
رہے گی، تمہیں کبھی سکون سے نیند نہیں آئے گی۔"
"آپا امی! میں تھک گئی ہوں۔ اب اسے برداشت نہیں
کر سکتی۔ کل اس نے مجھے رات کو کھانے پر بلایا ہے۔ پہلے میں نے
سوچا کہ اسے کھانے میں زہر دے دوں مگر اس کے گھر جا کر
اسے زہر دوں گی تو یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔"
"ارے بیٹی! مجھ سے کہو۔ میں اس کمبخت کو زہر دے کر
سلا دوں گی۔ اگر میں پکڑی بھی گئی تو میری زندگی کتنی رہ گئی ہے۔
یہ باقی زندگی میں اپنی بیٹی پر قربان کر دوں گی۔"
اس نے حلیمہ کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا۔
"نہیں آپا امی! آپ کو اور وحید کو دیکھ دیکھ کر میں جیتی ہوں۔
میں آپ پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گی۔ میں نے ایک کرائے
کے قاتل سے تمام معاملات طے کر لیے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں
کسی طرح لیلیٰ کو بے ہوش کر کے اسے اس کی کوٹھی میں چھوڑ
آؤں، پھر وہ جا کر چپکے سے اسے قتل کر دے گا۔"
"بیٹی! یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے تو اسے بے ہوش کس طرح
کیا جائے گا۔ اگر وہ بے ہوش ہو جائے گی تو کیا ہم اسے ہلاک
نہیں کر سکیں گے؟"
"نہیں۔ کسی کی جان سے کھیلنے کے لیے بڑے دل گردے
کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس کو
ہلاک کروں۔ پھر ہمیں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ اس
قاتل نے مجھے ایک نشیلی دوا دی ہے۔ اگر وہ دوا لیلیٰ کی میٹھی پلیٹ
میں ملا دی جائے تو وہ میٹھا کھانے کے بعد نشے میں مدہوش ہو
جائے گی۔"
اس نے پرس کھول کر ایل ایس ڈی کا چھوٹا سا ٹیوب
نکالتے ہوئے کہا۔
"یہ وہی نشیلی دوا ہے۔ چائے کے آدھے چمچے کے برابر یہ
دوا کسی میٹھی ڈش میں ملا دی جائے تو وہ خوابوں کی جنت میں
پہنچ جائے گی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھی کھانے میں مصروف
رہوں گی۔ اس کے سامنے یہ دوا اس کی میٹھی پلیٹ میں نہیں ملا
سکوں گی۔ ایسے وقت آپ ہی کچھ کر سکتی ہیں۔"
"ضرور کروں گی۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"
لیلیٰ نے کہا۔ "وہاں لیلیٰ کا ایک ہی ملازم ہے۔ آپ وہاں
جاتے ہی اس کے ساتھ کام میں لگ جائیں۔ اسے ادھر ہی کام
میں لگا دیں اور خود کھانا نکالنے اور تمام ڈشیں میز پر پہنچانے
کے فرائض انجام دیں۔ ایسے وقت سویٹ ڈش میں یہ دوا ملانے
کا کافی موقع مل جائے گا۔"
"ایسا تو میں آسانی سے کر لوں گی۔"
"جب وہ مدہوش ہونے لگے گی تو ہم اسے سہارا دے
کر خواب گاہ میں لے جائیں گے۔ آپ وہاں سے فوراً کچن میں
چلی جائیں گی۔ تاکہ اس ملازم کو وہاں کاموں میں الجھائے رکھیں۔
اتنی دیر میں میں لیلیٰ کا لباس پہن کر آؤں گی اور ملازم سے
کہوں گی کہ اب وہ چھٹی کرے۔ کچن کا باقی کام صبح آ کر کرے۔
اس طرح وہ اپنی مالکن لیلیٰ سے اجازت لینے بیڈ روم میں نہیں
آئے گا۔ میرے حکم کو مالکن کا حکم سمجھ کر سونے کے لیے چلا جائے گا۔
ہمیں بڑی سہولت سے بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا ہو گا۔
ملازم کے جانے کے بعد میں پھر اپنا پہلا والا لباس پہن کر لیلیٰ کو
اس کا لباس پہنا دوں گی۔ اس کے بعد ہم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر
واپس آ جائیں گے۔"
وہ اپنے منصوبے کو حلیمہ کے سامنے تفصیل سے پیش کرتی
رہی۔ حلیمہ کو اس سلسلے میں جو فرائض ادا کرنے تھے وہ انہیں اچھی
طرح سمجھتی رہی۔ جب وہ بوڑھی عورت کچن کی طرف چلی گئی تو
لیلیٰ اس منصوبے کے بقیہ حصے کے متعلق سوچنے لگی۔
منصوبہ یہ تھا کہ جب لیلیٰ اپنا کام کر کے یعنی شبانہ کو مدہوش

بناکر بیڈروم میں پہنچانے کے بعد حلیمہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر واپس جائے گی تو اس کا بھائی کوٹھی میں آئے گا اور شبانہ کا کام تمام کر دے گا۔

شبانہ کو قتل کرنے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ لیلیٰ اب وحید پاشا کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ عشقیہ معاملہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اسکاٹ لینڈ جانے والے وحید کو یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ ایل ایس ڈی لیلیٰ کے مرحوم شوہر کے پاس بھیجی گئی تھی۔ شوہر تو مرچکا تھا اس لیے لیلیٰ کا محاسبہ کیا جاتا۔ پولیس والوں کی نظروں میں وہ پہلے ہی بدنام تھی۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ لیلیٰ کے نام کو ہمیشہ کے لیے مار ڈالا جائے۔

لیلیٰ کے کاٹیج میں قتل ہونے والی شبانہ کے ساتھ لیلیٰ کا نام ختم ہوگیا۔

لاش کو اس لیے غائب کرنا پڑا کہ پوسٹ مارٹم کے وقت اس کے منہ سے پلاسٹک کا وہ مصنوعی دانت نکل آتا اور یہ راز کھل جاتا کہ قتل ہونے والی شبانہ ہے اور لیلیٰ اپنا ایک دانت نکلوا کر شبانہ بنی بیٹھی ہے۔

اب اس عورت کو صرف وحید پاشا پہچان سکتا تھا اور پہچان بھی صرف ایک تھی... کوڈ ورڈز۔

مگر افسوس شبانہ نے بحالتِ مجبوری وہ کوڈ ورڈز بھی لیلیٰ کو بتا دیے تھے۔

وحید پاشا کار کی پچھلی سیٹ سے ٹیک لگائے اپنے ماضی میں گم تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں ہی اسے یہ خبر مل چکی تھی کہ لیلیٰ قتل کر دی گئی ہے۔ اس خبر سے اس کے دل کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ وہ جیسی بھی تھی، اس کی محبوبہ تھی۔ اس کی تنہائیوں میں خوشگوار تبدیلیاں لاتی تھی۔ وہ اپنی بدنام محبوبہ کو بھلا نہیں سکتا تھا۔

اپنے ملک کی زمین پر قدم رکھتے ہی اسے بتایا گیا کہ لیلیٰ کی لاش غائب کر دی گئی ہے اور پولیس والے الجھ گئے ہیں کہ وہ لاش لیلیٰ کی تھی یا شبانہ کی؟

اب تو سب ہی یہ کہہ رہے تھے کہ صرف وحید پاشا زندہ شبانہ یا زندہ لیلیٰ کی شناخت کر سکتا ہے اور یہ درست بھی تھا وہ اپنی دانست میں کوڈ ورڈز کے ذریعے شناخت کر سکتا تھا، لیکن سچ بات یہ ہے کہ وہ بڑی سخت آزمائش میں مبتلا ہوگیا تھا۔ یہ خیال بار بار اس کے دماغ میں چکرا رہا تھا کہ لیلیٰ پہلے بھی ایک بار شبانہ بن کر دھوکہ دے چکی ہے۔ دوسری بار دھوکہ دینے کے لیے آئی تو کوڈ ورڈز ادا نہ کرسکی۔ اس کے باوجود وحید نے انجان بن کر اس کے ساتھ وقت گزار لیا۔

لیکن اب وہ کیا کرے گا؟ وہ جس عورت کو پہچاننے جا رہا تھا اگر وہ لیلیٰ ہوئی اور اس نے کوڈ ورڈز ادا نہ کیا تو کیا وہ اسے قانون کے حوالے کر دے گا؟ اس محبوبہ پر ظلم کر سکے گا جو چور دروازے سے آکر اسے چور شوخیاں دیتی رہی۔

اگر وہ لیلیٰ ہوگی تو یقیناً اس نے بہت بڑی سازش کی ہوگی۔ اس کی وفادار بیوی کو قتل کیا ہوگا اور اس کی جگہ لینے آگئی ہوگی۔ ایسی صورت میں وہ وفادار بیوی کا انتقام لے گا یا محبوبہ کو اپنی پناہ میں چھپا لے گا؟

گاڑی اس کی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہونے لگی۔ وہاں پولیس والوں کا سخت پہرہ تھا۔ وہ کار سے اتر کر کوٹھی کے برآمدے میں آیا۔ ایک پولیس انسپکٹر نے کہا۔

”جناب! آپ کے ایک ملازم اور بوڑھی ملازمہ کو تھوڑی دیر کے لیے کوٹھی سے نکال دیا گیا ہے۔ آپ پندرہ منٹ کے اندر ہمیں اطلاع دیں کہ آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے ڈی آئی جی صاحب کا حکم ہے کہ پندرہ منٹ کے بعد ہم بغیر اجازت کوٹھی میں داخل ہو جائیں۔ آپ میری گھڑی سے وقت ملا لیں۔“

وحید نے وقت ملاتے ہوئے کہا۔

”تم ڈرائنگ روم میں آکر ٹیلیفون کے پاس بیٹھو۔ میں بیڈروم کے فون کے ذریعے تمہیں اطلاع دوں گا۔“

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے شبانہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے سر پر آنچل تھا۔ وحید نے قریب آکر دیکھا۔ انگلی میں شادی کی انگوٹھی تھی۔ وہ شوخی کے بجائے بڑی سنجیدگی سے اپنے محبوب کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وحید نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”شبانہ! تمہاری بہن کی موت نے ہم سب کو الجھا دیا ہے میں اس الجھن کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔“

وہ اس کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں کرتا ہوا بیڈروم میں آیا۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کرنے لگا۔ اسی وقت شبانہ کی آواز سنائی دی۔

”آج اتوار کا دن ہے۔“

یہ سنتے ہی وحید کی عجیب حالت ہوگئی۔ اسے اس بات کا اطمینان تو ہوا کہ بیوی زندہ ہے مگر دکھ بھی پہنچا کہ محبوبہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نے جواب میں کوڈ ورڈز ادا کیے۔ شبانہ نے ہنستے ہوئے پھر جواباً کہا۔

”ہر رات رنگین خواب نہیں آتے۔ لیکن آج کی رات

میرے چاروں طرف رنگ ہی رنگ ہیں۔ مجھے بہن کی موت کا ذرا بھی غم نہیں ہے۔ آج میں بہت خوش ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ وحید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ شبانہ ایسی سنگدل تو نہیں تھی اور ایسی شوخ نہیں تھی کہ ہنستی بل کھاتی ہوئی سوئچ بورڈ کے پاس جاکر سوئچ پر ہاتھ رکھے اور سر گھما کر معنی خیز انداز میں وحید کو دیکھے۔ اس نے سوئچ آف کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے تاریکی چھا گئی۔ وحید نے پوچھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ تم نے پہلے کبھی اس انداز سے شوخی نہیں دکھائی۔"

تاریکی سے جواب ملا "کیا انداز بدلنا جرم ہے؟ آخر میں اپنے میاں کو ہی شوخیاں دکھا رہی ہوں۔"

وحید کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ کبھی یہی بات لیلیٰ نے اس سے کہی تھی۔

سوئچ آن ہو گیا۔ اب کمرے میں زیرو پاور کی ہلکی نیلی روشنی تھی۔ لیلیٰ بڑے ہی دل لبھانے والے انداز میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ شبانہ نے اپنے سر سے آنچل ڈھلکا دیا۔ لیلیٰ کے رس بھرے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ شبانہ کی آنکھیں محبت سے جگمگا رہی تھیں۔ وحید یا شا کی ایک آنکھ لیلیٰ کو اور دوسری آنکھ شبانہ کو دیکھ رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے سامنے والی کو کیا سمجھے؟ صرف وہ کوڈ ورڈز ایسے تھے، جو اسے شبانہ بنا کر پیش کر رہے تھے۔ اس نے ٹیلیفون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا۔ پھر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے انسپکٹر سے رابطہ قائم ہونے کے بعد کہا۔

"میں مطمئن ہوں۔ لیلیٰ کا قتل ہوا ہے۔ میری بیوی زندہ سلامت ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر نیلی روشنی کی دھند میں چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ شاخ گل کی طرح لچکتی ہوئی اس کی پہنچ سے دور جاکر مسکرانے لگی۔ وحید نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"اب مجھے سچ سچ بتا دو کہ وہ کوڈ ورڈز تمہیں کیسے معلوم ہوتے ہیں؟"

اس کے حسین چہرے پر سے ایک سایہ سا گزر گیا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ وحید نے قریب آکر اسے بازوؤں میں قید کر لیا۔ پھر نرمی سے بولا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں قانون کے حوالے نہیں کروں گا۔ صرف اتنا بتا دو کہ شبانہ کیسے ماری گئی ہے اور وہ کوڈ ورڈز تمہیں کیسے معلوم ہوتے ہیں؟"

اس نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کر لیا۔ پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔

"جب تم سمجھ ہی رہے ہو کہ میں تمہاری بیوی نہیں ہوں تو پھر کوئی سوال نہ کرو۔ کیونکہ سوال کا جواب دینے کے لیے بیوی مجبور ہوتی ہے۔ محبوبہ خود مختار ہوتی ہے۔ اگر میں جواب نہ دوں تو کیا تم غصہ دکھاؤ گے؟"

"نہیں لیلیٰ! محبوبہ سے نہ ناراض ہوا جاتا ہے، نہ اسے ناراض کیا جاتا ہے۔ تمہاری مرضی ہو تو جواب دو۔ میں صرف اپنی الجھن دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو سنو۔ وہ میری بہن تھی، دشمن نہیں تھی۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ میں تم سے ملنے کے لیے یا تمہیں حاصل کرنے کے لیے اتنا بڑا جرم نہیں کر سکتی۔ میں نے اسے رات کے کھانے پر بلایا تھا۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم ملک سے باہر گئے ہو۔ میں سمجھ رہی تھی کہ تم یہاں موجود ہو۔ تم سے ملنے کے لیے میں نے اسے نشیلی دوا کھلا دی۔ اسے اپنے بستر پر سلا دیا۔ حلیمہ میرے ملازم کے ساتھ کچن میں کام کر رہی تھی۔ میں نے شبانہ کا لباس پہن کر اسے اپنا لباس پہنا دیا۔ جب حلیمہ آئی تو میں نے کہا "لیلیٰ کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ وہ سو گئی ہے۔ چلو ہم واپس چلیں۔" میں شبانہ بن کر یہاں تم سے ملنے آگئی۔

یہاں آکر پتہ چلا کہ تم مجھ سے بہت دور چلے گئے ہو۔ میں خواب گاہ کا یہ دروازہ بند کر کے یہاں کی ایک ایک چیز کو دیکھنے لگی۔ تمہاری الماری کھول کر تمہارے کپڑوں کو چومنے لگی۔ پھر میں نے شبانہ کے کپڑے دیکھے۔ تہہ کیے ہوئے کپڑوں کے نیچے مجھے اس کی ایک ڈائری ملی۔ یہ دیکھو...!"

اس نے الماری کھول کر ڈائری نکالی۔ پھر ڈائری کے چند اوراق الٹ کر وحید کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"اس صفحے کو پڑھو۔ وہی کوڈ ورڈز لکھے ہوتے ہیں جو ابھی دروازہ بند کرتے وقت میری زبان سے ادا ہوتے ہیں۔"

وحید نے اس پر ایک نظر ڈال کر ڈائری ایک طرف پھینک دی۔ پھر کہا۔

"اب ساری بات سمجھ میں آگئی۔ تمہارا کوئی دشمن تمہیں قتل کرنے تمہاری کوٹھی میں گیا تھا۔ وہاں شبانہ کو لیلیٰ سمجھ کر اسے ختم کر دیا۔ اوہ خدایا! وہ کتنی وفادار اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ میں اسے کبھی بھلا نہیں سکوں گا اور تمہیں بھی الزام نہیں دوں گا۔ تم نے میری محبت سے مجبور ہو کر ایسا کیا۔ تم نہیں جانتی تھیں کہ کوئی قاتل اپنا کام کر جائے گا۔ میں قاتل کو

ضرور گرفتار کروں گا۔ لیلیٰ! میں صدمے سے نڈھال ہو رہا ہوں مجھے سہارا دو۔"

وہ قریب آگئی اور وہ سہارا لیتے ہوئے اس کے ساتھ مرحوم بیوی کے بستر پہ جا کر لیٹ گیا۔

ڈی آئی جی کے ڈرائنگ روم میں پولیس کے اعلیٰ افسران کے علاوہ انسپکٹر زندہ دل بھی موجود تھا۔ وحید پاشا اسکاٹ لینڈ سے جو رپورٹ لے کر آیا تھا اس رپورٹ پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ خاص طور پر بحث اس نکتے پر جاری تھی کہ لیلیٰ کا قتل کیوں ہوا؟ قاتل اس کی موت سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا؟

ایک افسر نے کہا "اسکاٹ لینڈ یارڈ کی رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ ایل ایس ڈی کا ذخیرہ حشمت بیگ کے پاس آیا تھا۔ لیلیٰ اس کی بیوہ تھی اور اس کے کاروبار میں ملوث تھی لیکن مال کی سودے بازی کوئی اور کرتا تھا۔ اس سوداگر نے جب یہ دیکھا کہ حشمت بیگ کے رشتے سے لیلیٰ گرفت میں آجائے گی اور پولیس والے تشدد کے ذریعے اس سے راز اگلوالیں گے تو اسے قتل کر دیا گیا۔"

تمام افسران نے سر ہلا کر تائید کی۔ ایک افسر نے کہا "بے شک قتل کی یہی وجہ ہو سکتی ہے لیکن ایک اہم سوال یہ ہے کہ لیلیٰ کی لاش کو غائب کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

سب سوچنے لگے۔ ایک اور افسر نے کہا "پہلے ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ لیلیٰ نے شبانہ کو قتل کیا ہے اور لاش کو پوسٹ مارٹم سے بچانے کے لیے اسے غائب کر دیا گیا ہے۔ لیکن مسٹر پاشا نے اپنی شریکِ حیات شبانہ کو پورے یقین سے پہچان لیا ہے۔ مسٹر پاشا کی یقین دہانی کے بعد ہمیں یہ سوچنا ہے کہ لیلیٰ کی لاش کو پوسٹ مارٹم سے بچانے کے لیے غائب نہیں کیا گیا ہے۔ لاش اٹھا کر لے جانے کی کوئی اور اہم وجہ ہے۔"

انسپکٹر زندہ دل نے اپنا خیال ظاہر کرنے کی اجازت لے کر کہا۔ "سر! میں بہت دیر سے اس مسئلے پر غور کر رہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ ایل ایس ڈی کے سوداگر کے لیے لیلیٰ سے زیادہ لیلیٰ کی لاش اہم تھی۔ ہم نے بڑی ہوشیاری سے ناکہ بندی کی تاکہ مال شہر سے باہر نہ جائے۔ منشیات کے تمام اڈوں پر چھاپے مارے۔ مگر ناکامی ہوئی۔ اس کے باوجود مال اسی شہر میں ہے۔ اسی شہر کے کسی قبرستان میں۔ . . . ."

تمام افسران سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک افسر نے کہا "میں کل سے مسلمانوں کے تمام قبرستان کے رجسٹر چیک کر رہا ہوں جن گھروں سے میتیں آئی ہیں، میرے ماتحت اس محلے میں جا کر تفتیش کر رہے ہیں۔ اب تک کی معلومات یہی ہیں کہ کوئی لاش باہر سے کسی گھر میں نہیں لائی گئی تھی اور کسی اسپتال سے بھی نہیں لائی گئی کل رات سے آج شام سات بجے تک مختلف قبرستانوں میں . . . ستائیس مُردے دفن کیے گئے۔ جن میں چھ بوڑھی عورتیں، چار بیاہتا جوان عورتیں اور سات کنواری لڑکیاں تھیں۔"

زندہ دل نے کہا "وہ مال مسلمانوں کی کسی قبر میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں مردوں کو صرف کفن میں لپیٹ کر دفنایا جاتا ہے۔ اور آٹھ لاکھ کا مال کسی کفن میں چھپایا نہیں جا سکتا۔"

دوسرے افسر نے کہا "میں نے عیسائیوں کے قبرستان کا رجسٹر چیک کیا ہے۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں وہاں دو مرد اور تین عورتیں دفن کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک عورت ہسپتال کی مریضہ تھی۔ میں نے اس پتے پر پہنچ کر اس کے عزیزوں سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے ہسپتال کے کاغذات پیش کر کے مجھے مطمئن کر دیا۔"

زندہ دل نے کہا "وہ کاغذات جعلی بھی ہو سکتے ہیں سر! میں درخواست کرتا ہوں کہ اس قبر کے تابوت کو کھولنے کی خصوصی اجازت دی جائے۔ لاش غائب کرنے کی وجہ سامنے آجائے گی۔"

سب آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ اس بات پر سب ہی متفق تھے کہ مال کی نشاندہی تقریباً ہو چکی ہے۔"

❖

صبح چار بجے فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ وحید پاشا اپنی محبوبہ کی چکنی چکنی باہوں کے گھیرے میں سو رہا تھا۔ اس نے بیزاری سے کروٹ بدلی اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا "ہیلو وحید پاشا اسپیکنگ . . . . ."

محبوبہ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ دوسری طرف سے اطلاع دی جا رہی تھی کہ ایک قبر کے تابوت سے لیلیٰ کی لاش اور مال برآمد کیے گئے ہیں۔ قبر کھودنے کے دوران مجرم مقابلے پر اتر آئے تھے۔ پولیس مقابلہ میں دو نامعلوم مجرموں کے علاوہ لیلیٰ کی دوکان کا منیجر بھی مارا گیا ہے جس گھر سے تابوت لایا گیا تھا اس گھر کی ایک عورت روبی فرار ہو گئی ہے۔"

یہ اطلاع ملتے ہی وحید نے کہا۔ "میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے فوراً ہی جانا ہوگا۔ لاش مل گئی ہے۔"

کہتے وقت اس کے ضمیر نے پوچھا "کس کی لاش؟"

وہ پریشان ہو کر اپنی محبوبہ کو دیکھنے لگا۔ دل نے سمجھایا۔ "جو ہونا تھا ہو چکا۔ شبانہ کے مقدر میں اتنی ہی زندگی تھی وہ مر گئی۔ میں نے نہیں مارا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اب لیلیٰ کو پناہ دے کر آئندہ اسے گمراہی سے بچانا میرا انسانی فرض ہے۔"

محبوبہ کے لیے انسانی فرائض کے اصول بدل جاتے ہیں۔ وہ جلدی جلدی لباس بدل کر چلا گیا۔

بازی جیتنے والی کے لیے دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی جب وحید پاشا دفتر چلا گیا تو وہ گنگناتی ہوئی باتھ روم میں گئی۔ پھر آدھے گھنٹے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر گنگناتی ہوئی باہر آئی۔ دل کی دھڑکنیں جب ساز بن جاتی ہیں تو گیت آپ ہی آپ ہونٹوں پر مچلنے لگتے ہیں۔ وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھ کر گنگناتے

ہوئے بالوں کو برش کرنے لگی۔ حلیمہ ناشتے کی ٹرے لے کر آئی۔ اس بوڑھی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ اس نے سنگھار میز پر ناشتے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

"آج میری بیٹی کو جیسے دونوں جہاں کی خوشیاں مل گئی ہیں۔"

وہ بوڑھے ہاتھوں کو تھام کر عقیدت سے بولی۔

"آپا امی! آپ نے جوانی میں مجھے دودھ پلا کر میری پرورش کی۔ بڑھاپے میں اپنی ذہانت سے اسے ٹھکانے لگا کر میرے سہاگ کو سلامت رکھا ہے۔ میری اپنی ماں ہوتی تو وہ بھی میرے لیے اتنا نہ کرتی۔"

"بیٹی! میں تو تمہارے لیے جان بھی دے دوں۔ مگر تم ہی نے مجھے غیر سمجھ کر اس حقیقت کو چھپائے رکھا۔ میری بھی مت ماری گئی تھی۔ لیلے کو پہچان ہی نہ سکی۔ وہ تمہارے قتل کے منصوبے بنا رہی تھی اور میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ جب میں پرسوں رات اس کے ساتھ لیلے کاٹیج میں پہنچی تو تم نے مجھے دیکھتے ہی "آپا امی" کہہ کر سلام کیا۔ تب میں چونک گئی۔"

"آپا امی" تو سب ہی کہہ سکتے ہیں۔ لیلے بھی کہتی تھی لیکن کہنے میں ادائیگی کا جو فرق ہوتا ہے۔ وہ فرق میں نے اس وقت محسوس کیا۔ مجبوری سے بھی امی کہا جاتا ہے۔ لیلے کی زبان پر وہ مجبور لہجہ تھا اور عقیدت سے بھی امی کہا جاتا ہے۔ دودھ کا چٹخارہ لینے والی تمہاری زبان میں وہ عقیدت تھی۔

میں الجھ کر رہ گئی کہ آخر قصہ کیا ہے؟ تمہارے ایک اندازِ تخاطب پر میرا دل کیوں بے اختیار دھڑک رہا ہے؟

تب میں تمہاری ایک ایک حرکت کو توجہ سے دیکھنے اور سمجھنے لگی۔ لیلے کی ہدایت کے مطابق میں نے کھانے کی تمام ڈشیں میز پر لا کر رکھیں۔ صرف سویٹ ڈش کو کچن میں محفوظ رکھا۔ پھر تم دونوں نے کھانا شروع کیا۔ تم نے پہلا لقمہ اٹھاتے ہی "بسم اللہ" کہا تو میرے ذہن کو زبردست جھٹکا پہنچا۔ یہ تعلیم تو میں نے تمہیں دی ہے کہ کوئی بھی کام شروع کرتے وقت "بسم اللہ" ضرور پڑھا کرو۔

میں تمہاری آپا ہوں، تمہاری ماں ہوں، تمہاری معلمہ ہوں۔ مگر بعض معلم دوسروں کو تعلیم دے کر خود بھول جاتے ہیں۔ میں بھی بھول گئی تھی۔ لیکن اس وقت میرے دماغ نے چیخ چیخ کر کہا کہ میری بیٹی دولت مند ہو کر بہت کچھ بھول سکتی ہے، مگر اسلامی اطوار کو نہیں بھلا سکتی۔ تب میں نے بازی پلٹ دی۔ جو میٹھی پلیٹ ایل ایس ڈی سے آلودہ تھی، اسے لیلے کے سامنے لا کر رکھ دیا اور دوسری پلیٹ تمہیں دے دی۔

جب پلیٹ خالی ہو گئی تب میں نے تمہیں بتایا کہ لیلے نے کس طرح تمہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ سنتے ہی لیلے نے اچار کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اچار کی کھٹاس سے نشہ ہرن کرنا چاہتی تھی۔ میں نے بوتل اس سے چھین کر کہا۔

"لیلے! یہ کاٹیج اور یہاں کی خواب گاہ تمہاری ہے۔ اب تمہیں خواب گاہ میں لے جا کر لٹایا جائے گا اور جس قاتل کو تم نے شبانہ کے لیے بلایا ہے وہ تمہارے پاس آئے گا۔"

وہ گڑگڑانے لگی۔ تم سے التجائیں کرنے لگی کہ اسے خواب گاہ میں نہ پہنچایا جائے۔ اگر تم اسے قاتل سے بچاؤ گی تو وہ نادرہ کی تمام تصویریں واپس کر دے گی۔"

شبانہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اس وقت مجھے بھی عقل آ گئی تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ پہلے وہ تصویریں واپس کرے، پھر میں اسے خواب گاہ میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ اپنے ساتھ گھر لے جاؤں گی۔ اسے میری شرط ماننی پڑی۔ اس نے بتایا کہ خواب گاہ میں بستر کے سرہانے والی میز کی نچلی دراز کی دو تہیں ہیں۔ ان کے درمیان وہ تصویریں نگیٹو کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے آپا امی کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ شبانہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے بوڑھے سینے سے لگ گئی۔ پھر اچانک ہی رونے لگی۔

"اے بیٹی! اب کیوں رو رہی ہو؟ تم نے اسے ہلاک نہیں کیا۔ وہ خود اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گر پڑی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے امی!"

"پھر کیا بات ہے؟ کیا اب بھی مجھ سے کچھ چھپاؤ گی؟"

"نہیں۔ وہ۔ وہ اب بھی لیلے کو چاہتے ہیں۔ مجھے لیلے سمجھ رہے ہیں۔"

"اچھا۔" حلیمہ نے تعجب کا اظہار کیا۔

"آپا امی! زندگی کی ٹھوکروں نے مجھے سکھا دیا ہے کہ ایک بیوی کو صرف گھریلو ٹائم ٹیبل کے مطابق زندگی نہیں گزارنی چاہیے۔ کبھی کبھی اپنے انداز اور اپنے طور طریقے بدل کر محبوبہ بن جانا چاہیے۔

میں محبوبہ ہوں۔ میرا نام لیلے ہے۔

میں سہاگن ہوں۔ میرا نام شبانہ ہے۔

میرا اور ان کا رشتہ جائز ہے۔ لیکن میں محبوبہ کے چور دروازے سے ناجائز رشتے کا چارہ ڈال کر انہیں حاصل کرتی رہوں گی۔"

وہ چپ ہو گئی۔ آپا امی بھی چپ تھی۔ زندگی میں ایسے موڑ بھی آتے ہیں جہاں چپ کے رشتے بھلے لگتے ہیں۔